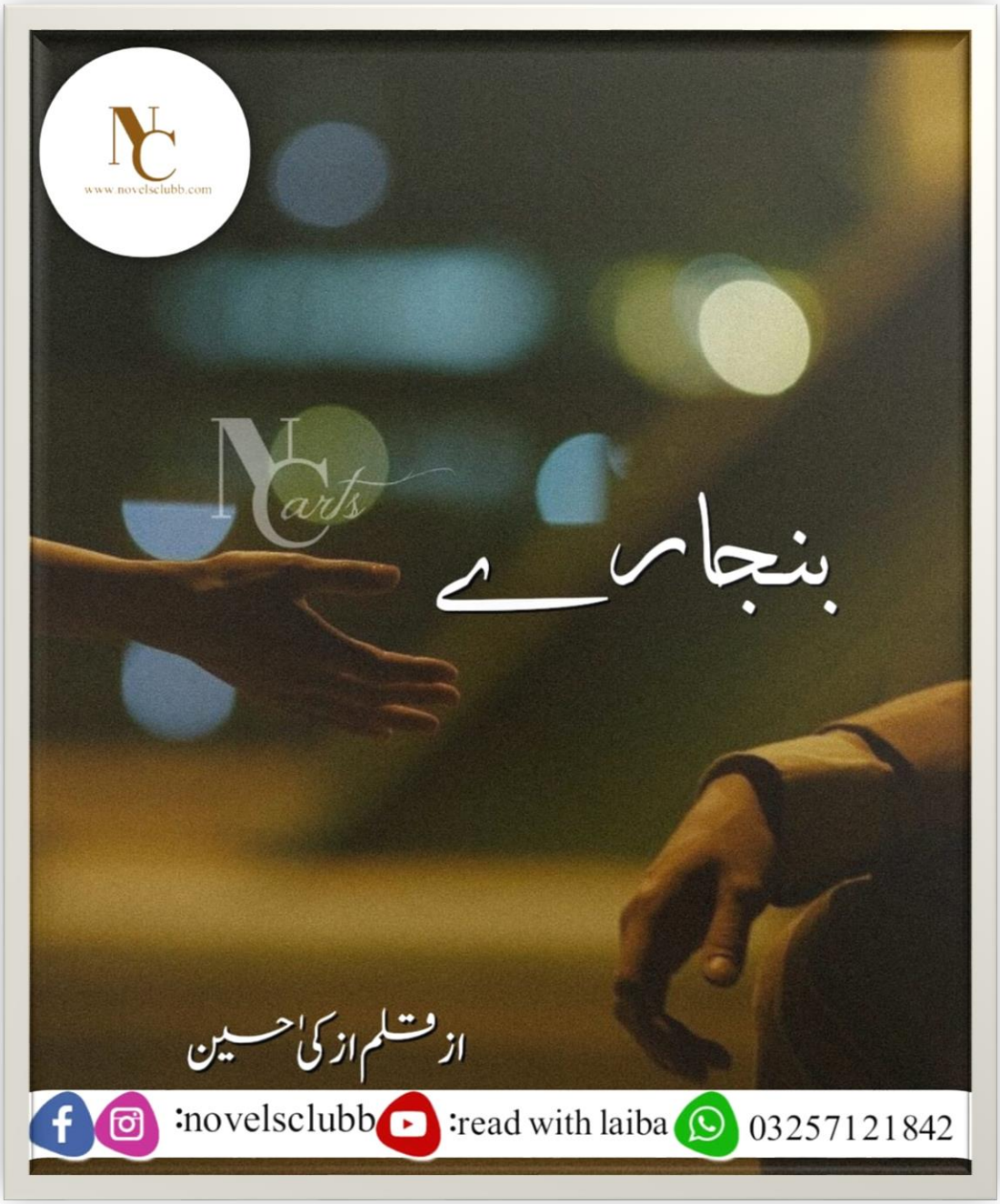
www.novelsclubb.com
بنجارے
از قلم از کی احسین
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

بنجارے

از قلم

از کی حسین

www.novelsclubb.com

بنجارے (از کیٰ حسین)

باب دوم:

"عفریت"

(چھ مہینے قبل)

قلبلار۔

آج کی سرد شام حریم بن ہاشم پر آفت بن کے اتری تھی۔ وہ صدر بازار میں لوگوں کے ہجوم کو بجلی کی تیزی سے کاٹتی دیوانہ وار بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ پیچھے مڑ کے دیکھنے کی ہمت تک نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ غزال سے نکل کر آزاد منزل کی طرف جاتے راستے پر چل رہی تھی جب دو لوگوں اس کے راستے میں آ کھڑے ہوئے۔ انہیں دیکھتے ساتھ ہی حریم نے کسی دوڑنے والے کھلاڑی کی طرح بھاگنا شروع کر دیا تھا۔

اسے بھاگتے ہوئے اب کافی وقت بیت چکا تھا۔ سخت ٹھنڈی ہوا سیدھی چہرے سے ٹکرانے کے باعث بھوری آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ سانس بھی پھول چکا

تھا، مگر وہ پھر بھی بھاگے چلی جا رہی تھی۔

گلیاں ویران ہونے لگیں تو اسے احساس ہوا کہ وہ قلب سے بہت دور آ گئی تھی۔

یہ شرفاء کا محلہ تھا۔ گھروں کے گیٹ بند تھے۔ یہاں کوئی ہجوم نہیں تھا، اگر اس کے تعاقب کار اس گلی میں پہنچ جاتے تو اسے پکڑنے میں دو لمحے بھی نہ لگاتے۔

اس نے نیلے رنگ کے ایک گیٹ کو زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔ قلبلار کے لوگوں سے اچھائی کی توقع کرنا بیوقوفی تھی۔ مگر وہ پھر بھی دروازہ بجاتی رہی۔ شاید کوئی دروازہ کھول ہی دے۔

وہ لوگ اس کے پیچھے ہی تھے۔ ان کے قدموں کی چاپ اسے سنائی دے رہی تھی۔ جو قریب تر ہوتی گئی۔ یوں جیسے وہ ابھی سامنے سے نمودار ہو جائیں گے۔

تین....دو....ایک....

کسی نے ایک جھٹکے سے گیٹ کھول کر اسے کلائی سے پکڑ کر اندر کھینچا اور گیٹ بند کر دیا۔

حریم نے پھولتے سانس کے ساتھ سامنے کھڑی لڑکی کو غور سے دیکھا۔ وہ عمر

میں غالباً اس سے تین چار سال ہی بڑی تھی۔اس کا شفاف چہرہ سیاہ حجاب میں مقید نور کا چمکتا ہالہ دکھائی دیتا تھا۔ملائم ہاتھوں میں سفید موتیوں والی تسبیح تھی۔حریم پر مرکوز اس کی سنہری آنکھوں میں اچنبھا تھا۔اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ اچانک دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی۔

حریم دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوئی اور منہ پر ہاتھ رکھ کے اپنا سانس روک لیا۔

کچھ لمحے کا توقف کر کے لڑکی نے دروازہ کھولا۔

"اونچی پونی اور گھنگریالے بالوں والی کوئی لڑکی تو نہیں آئی یہاں؟"اس کا پیچھا کرنے والوں میں سے ایک نے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

"یہاں کوئی نہیں آیا۔"کہہ کر وہ دروازہ بند کرنے لگی تو آدمی نے اپنا پاؤں دروازے کے آگے رکھ دیا۔

"یہ تمہارا قلب نہیں ہے جہاں تم کسی کے گھر میں گھس جاؤ گے اور کوئی کچھ کہے گا نہیں۔اس سے پہلے میں شور مچا کر سب کو اکٹھا کر لوں، چلے جاؤ یہاں

سے۔"وہ اتنی سختی سے بولی تھی کہ اس نے اپنا پاؤں واپس کھینچ لیا۔

لڑکی نے پٹاخ گیٹ بند کیا اور حریم کو اندر چلنے کا اشارہ کر کے خود آگے چلنے لگی۔

وہ اسے صدر کمرے میں لے کر آئی۔ دروازہ بند کیا۔ پھر ایک راہداری کی طرف غائب ہو گئی۔

یہ کمرہ بے حد گرم تھا۔ سامنے آتشدان میں آگ پھڑ پھڑا رہی تھی۔ جس نے سردی پر کافی حد تک قابو پا رکھا تھا۔ حریم صوفے پر ڈھے جانے والے انداز میں بیٹھی۔ گہرے سانس لے کر اپنا تنفس بحال کیا۔

لڑکی تھوڑی دیر بعد ایک گلاس ہاتھ میں تھامے واپس آئی جسے حریم نے جلدی سے اٹھ کے اس کے ہاتھ سے لیا اور منہ سے لگا کر ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گئی۔

"اور لے کر آؤں؟"اس نے اپنائیت سے پوچھا۔

حریم نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر خیال آنے پر پوچھا۔"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ مجھے مدد کی ضرورت ہے؟"

"میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے تمہیں پچھلی گلی میں ان لوگوں سے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم نے میری مدد کی تمہارا شکریہ۔اب میں چلتی ہوں۔"وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگی تو اس نے بازو سامنے پھیلا کر اسے روک دیا۔

"وہ لوگ تمہارا پیچھا کیوں کر رہے تھے؟"حریم کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"تم مجھے تفتیش کیے بغیر جانے نہیں دو گی نا؟"

"بالکل بھی نہیں۔"اس نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے۔

حریم نے ایک گہرا سانس باہر نکالا۔"میں ان کی مقروض ہوں۔"

"اور اب انہیں واپس کرنے کے لیے تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں؟"وہ افسوس سے بولی۔

اس نے بے دلی سے اثبات میں گردن ہلائی۔

"جب ادائیگی نہیں کر سکتی تھی تو قرض لیا ہی کیوں تھا؟"

"اپنے لیے نہیں لیا تھا۔ان پیسوں سے ایک غلام کو خرید کے آزاد کیا تھا۔"

وہ لڑکی آگے سے کچھ بول نہیں سکی۔

"یہ سب وائل کا قصور ہے۔" وہ سر جھٹک کے بڑبڑائی۔

اگر وہ اسے قرضہ دے دیتا تو جمن سیٹھ سے پیسے لینے کی نوبت ہی نہ آتی۔اور نہ ہی اب اسے اس طرح منہ چھپا کر بھاگنا پڑتا۔

"تم وائل بن آدم کے لیے کام کرتی ہو؟" سامنے کھڑی لڑکی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تم وائل کو کیسے جانتی ہو؟" حریم حیران ہوئی۔

گو کہ آدھا قلبلار وائل کو جانتا تھا،اس محلے کے اکثر لوگ اس سے ناواقف ہی تھے۔

www.novelsclubb.com

"اس عفریت کو کون نہیں جانتا۔" امیرہ کی آواز میں تلخی واضح ہوئی۔"اسلام صاحب نے بتایا مجھے جو اس نے ان کے ساتھ کیا۔"

"کیا!" حریم کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی۔"یہ اسلام صاحب کا گھر ہے؟"

"کون آیا ہے،امیرہ؟" اتنے میں سامنے والے کمرے کا دروازہ کھول کے سفید

دھاڑی اور سفید بالوں والے ایک بزرگ آدمی اندر آئے۔

حریم کی نظریں ان کی طرف اٹھیں۔اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آپ کون ہیں بیٹا؟" عینک لگاتے ہوئے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

حریم نے فٹافٹ منہ بند کیا۔

"میرا نام حریم ہے۔کچھ گنڈے میرے پیچھے لگ گئے تھے۔آپ کی بیٹی نے مجھے یہاں پناہ دی۔" اس نے ایک ہی سانس میں وضاحت کر ڈالی۔

"میں ان کی بیٹی نہیں ہوں۔" امیرہ نے اس کی اندازے کی نفی کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔"کرائے دار ہوں۔"

"وہ لوگ چلے گئے؟" وہ فکرمندی سے گویا ہوئے۔

امیرہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"دھیان رکھا کرو بیٹا۔اور کوشش کیا کرو کے رات کے وقت اکیلی گھر سے باہر مت نکلو۔قلبلار کے حالات کا تو تمہیں اندازہ ہے ہی۔" انہوں نے اسے بڑے نرم لہجے میں نصیحت کی۔

حریم نے سمجھنے والے انداز میں سر کو خم دیا۔

"تم خود گھر چلی جاؤ گی یا میں چھوڑ دوں؟"

"نہیں میں چلی جاؤں گی۔"

انہوں سے سمجھ کے سر ہلایا اور پھر امیرہ کو مسجد جانے کا کہہ کے باہر نکل گئے۔

امیرہ بھی شاید گیٹ بند کرنے ان کے پیچھے گئی تھی۔

وہ واپس آئی تو ٹھنڈ روکنے کے لیے کمرے کا دروازہ بھی بند کر دیا۔

پھر وہ کھنکھاری۔"یہ جان کر کہ یہ اسلام صاحب کا گھر ہے، تم اتنی حیران کیوں ہوئیں؟"

اس کی تفتیش پھر سے شروع ہو چکی تھی۔

حریم صوفے پر جا کے بیٹھ گئی۔یقیناً ان کی گفتگو لمبی چلنے والی تھی۔

"میں قلبلار کے خطرناک ترین مجرموں کے گروہ کا حصہ ہوں۔آج سے پہلے کسی نیک آدمی کے گھر نہیں گئی۔"

"تو کیوں ہو اس گروہ کا حصہ؟ چھوڑ دو یہ سب۔"امیرہ بڑی سہولت سے بولی

تھی۔

"تمہیں لگتا ہے، جرم کی دنیا چھوڑنا آسان ہے؟"

وہ یکدم لاجواب ہوئی۔

"تمہارا پالا وائل جیسے شریر انسان کے ساتھ پڑا کیسے؟" کچھ دیر بعد اسی نے سلسلہِ گفتگو جوڑا۔

"میری چھوڑو۔اپنی بتاؤ۔تم وائل کے بارے میں اتنا سب کچھ کیسے جانتی ہو؟" حریم نے بھوری آنکھیں بڑی کر کے اسے مشکوک تاثرات کے ساتھ دیکھا۔

"میں جب سے یہاں آئی ہوں،اس کے بارے میں بہت کچھ سننے کو ملا ہے۔" اس نے کندھے اچکا دیئے۔

www.novelsclubb.com

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ وہ ایک انتہائی مکار، سفاک، فریبی، موقع پرست اور لالچی انسان ہے۔" امیرہ کا لہجہ بے انتہا ناپسندیدگی لئے ہوئے تھا۔اور یہ ناپسندیدگی ذاتی نوعیت کی لگتی تھی۔

کسی اور کے منہ سے وائل کے لیے یہ اوصاف سن کر حریم کے تو اندر تک جیسے راحت سی اتری تھی۔

"یہ لالچ والی بات تو کچھ زیادہ ہی ٹھیک کہہ دی تم نے۔"اس نے دونوں ہاتھوں کی تالی بجائی۔"میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اگر وہ پیدائشی مسلمان نہیں ہوتا تو بڑا ہو کر پیسے کا پجاری بنتا۔"

پھر اس نے امیرہ کو اپنے ساتھ آ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اور کیا جانتی ہو اس کے بارے میں؟"پُرجوش ہو کے وائل کی مزید برائیاں سننا چاہیں۔

امیرہ اس کے مقابل آ کے بیٹھی۔

"یہ کہ اسے ہیرا پھیری کر کے حالات کو اپنے حق میں ڈھالنے کا فن آتا ہے۔ جب بھی وہ کسی انسان میں کوئی ہنر دیکھتا ہے جو اس کے کام آ سکے تو بڑی چالاکی سے اس کی کسی کمزوری یا مجبوری کو اپنے حق میں استعمال کر کے اسے اپنے گروہ میں شامل کر لیتا ہے۔ بھلے ہی وہ انسان ایسا نہ چاہتا ہو۔"

www.novelsclubb.com

وائل کے بارے میں بات کرتے ہوئے امیرہ کی آنکھوں میں صرف بیزاری تھی۔

"میں سنی سنائی باتوں پر اتنی جلدی یقین نہیں کرتی۔نہ ہی کسی انسان کو جانے بغیر اس کے کردار کے بارے میں حتمی رائے قائم کرتی ہوں۔لیکن اسلام صاحب کو میں بچپن سے جانتی ہوں۔وہ جھوٹ نہیں بولتے۔انہوں نے بھی اس کے بارے میں یہی سب کہا۔اور مجھے ان کی کہی ایک ایک بات پر یقین ہے۔"

"میں ان کی باتوں کی تصدیق کرتی ہوں۔"اس نے انگوٹھا ہوا میں لہرایا۔

امیرہ مسکرائی۔

"ویسے تمہاری باتوں سے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم اسے ذاتی طور پہ بہت ناپسند کرتی ہو۔" گھنگرالے بالوں کو انگلی میں لپیٹے ہوئے اس نے لفظ ذاتی پہ زور دیا۔

"کیونکہ میں واقعی اسے بہت ناپسند کرتی ہوں۔اس نے اسلام صاحب کے ساتھ جو کیا وہ بہت غلط تھا۔"

حریم نے پتلیاں سکوڑ کے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔وائل کے لیے ناپسندیدگی

اس کی آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"ماروتالی۔مجھے بھی وہ زہر ہی لگتا ہے۔"اس نے اونچا سا قہقہہ لگا کے ہاتھ آگے کیا تو امیرہ نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پہ ہلکی سی تالی ماردی۔

"تم اسے کیوں پسند نہیں کرتیں۔وہ تو تمہارا آجر ہے نا؟"

"ویسے تو بہت سی وجوہات ہیں۔مگر سب سے اہم ہے چائے۔"

"چائے؟"امیرہ نے آنکھوں میں الجھن لیے اسے دیکھا۔

"ہاں۔اسے چائے نہیں پسند۔"حریم نے آنکھیں گمائیں۔"اور جسے چائے نہیں پسند مجھے وہ نہیں پسند۔تمہیں تو چائے پسند ہے نا؟"آنکھیں چھوٹی کر کے امیرہ کو بغور دیکھا۔

www.novelsclubb.com

وہ کچھ لمحے خاموش رہی۔پھر ہنس کر بولی۔"پسند ہے حریم پسند ہے۔"اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔"شکل دیکھو اپنی۔رونے والی ہو گئی ہے۔"وہ سر دائیں بائیں ہلاتی دوبارہ ہنسی تھی۔

حریم نے اس مذاق پہ برا منہ بنایا۔پھر نظریں گھما کر کمرے کا جائزہ لیا تو نظر

سامنے موجود میز پہ رکھی کتابوں پر پڑی تو وہ چھلانگ لگا کر صوفے سے اٹھی۔اور میز کے قریب گئی۔

"یہ کتابیں تمہاری ہیں؟"ایک کتاب کے صفحے ٹٹول کر دیکھے۔وہ کوئی تاریخ کی کتاب تھی۔

"دو سال پہلے اسلام صاحب کی بیٹی نے منگوائی تھیں۔قائرہ سے۔ابھی تک نہیں پڑھیں۔اس کی والدہ نے ردی والے کو دے کر آنے کے لیے مجھے دی ہیں۔"

حریم نے کتاب کو سینے سے لگا کر امیرہ کو شکل نگاہوں سے دیکھا۔

"کتابوں کو بھلا کون ردی میں دیتا ہے؟ہونہہ۔"منہ بسور کے سر جھٹکا۔

"وہ جوان کی قدر نہیں کرتے۔"

"تو تم رکھ لو انہیں۔"حریم نے تجویز دی۔

"ان میں سے اکثر کتابیں افسانوی محبت کی المناک داستانیں ہیں۔اور مجھے دکھی کہانیاں نہیں پسند۔"ایک اداس سا تاثر امیرہ کی آنکھوں میں ابھرا تھا۔

حریم نے کتاب واپس رکھ دی۔

"تم لے کر جانا چاہتی ہو تو لے جاؤ۔" امیرہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"سچ؟" وہ یکدم پُرجوش ہوئی۔

"ہاں۔انہیں ایک قدردان مل جائے گا۔اور تمہاری تفریح ہو جائے گی۔"

حریم کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی۔پھر کتابیں اٹھائیں اور ساتھ پڑے تھیلے میں ڈال لیں۔

میز پہ کورے صفحات کا ایک پلندا بھی پڑا تھا۔قلم اٹھا کے ایک کاغذ پر غزال کا پتہ لکھا۔

"تم نے میری مدد کی۔میں تمہاری مشکور ہوں۔اس لیے باقائدہ طریقے سے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔اگر کبھی تمہیں وقت ملے تو اس پتے پر آ کر میرے ساتھ ایک پیالی چائے کی پی لینا۔میرے دل کو تسکین مل جائے گی کہ میں نے اپنی محسن کا شکریہ ادا کر دیا۔" کاغذ امیرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کے لہجے میں بے پناہ خلوص تھا۔

امیرہ نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے کر پڑھا۔

پھر سنہری آنکھیں اٹھا کے حریم کی طرف اپنائیت سے دیکھا۔"میں نے یہ انسانیت کی خاطر کیا ہے حریم۔اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہائے۔"اس نے ہاتھ دل پہ رکھ کے ٹھنڈی آہ بھری۔"کتنا اچھا لگ رہا ہے نا قلبلار کے کسی رہائشی کے منہ سے انسانیت کا لفظ سن کر۔ورنہ تو سب گدھ ہی ہیں اس ملعون شہر میں۔سمیت میرے۔"آخری دو الفاظ ادا کرتے ہوئے اس نے آنکھ ماری۔

امیرہ گردن دائیں بائیں ہلاتی مسکرا دی۔

"میں چلتی ہوں۔"کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

جوں ہی دروازہ کھولا ہوا کے تیز، ٹھنڈے جھونکے چہرے سے ٹکرائے۔اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سے روئی کے ہلکے پھلکے گالے برسنے لگے۔

"برف پڑ رہی ہے؟"امیرہ تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے آئی اور ہاتھ آگے بڑھا کے روئی کو محسوس کیا۔

"قوی امکان ہے کہ یہ برفباری اس موسم سرما کی آخری برفباری ہے۔" حریم نے بھی ہاتھ باہر نکالا۔

پھر وہ دونوں گیٹ کی طرف آ گئیں۔

حریم باہر نکلی تو امیرہ نے ہاتھ جھلا کے اسے الوداع کہا۔اس نے بھی جواباً ہاتھ ہلا دیا۔

امیرہ نے گیٹ بند کر دیا تو وہ اپنے لمبے کوٹ کی ٹوپی سر پر چڑھائے، دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالے محتاط قدم اٹھاتی آزاد منزل کی طرف چل دی۔

روئی کے ٹھنڈے گالے آسمان سے ہنوز نیچے گر رہے تھے۔ یقیناً آج ساری رات برفباری ہونے والی تھی۔

www.novelsclubb.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

رات کے اس پہر آسمان پہ ٹھنڈی، چمکدار سفیدی کا بسیرا تھا۔ایک سرد، سفید چادر زمین پہ بھی پھیلی تھی۔یوں کہ سارا قلبلار اس کے حصار میں چھپا تھا۔زندگی

سے بھرپور ننھے روئی کے گولے آسمان سے نیچے گرتے تو سفید چادر پر ایک مزید تہہ کا اضافہ ہو جاتا۔ بنا چاند کے بھی رات، آج درخشاں تھی۔ روشن۔ پُرامید۔ پُر نور۔

وہ منظر اتنا دلکش تھا کہ امیرہ کی آنکھوں نے اسے ذہن میں نقش کر لیا۔

وہ ایک وسیع گلی کے دائیں جانب ہو کر چلتے ہوئے کافی سنبھل کر قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کے یخ ٹھنڈے ہاتھوں کے علاوہ سارا جسم گرم کپڑوں سے ڈھکا تھا۔ پھر بھی ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ روئی کے ننھے گالے اس کے چہرے سے ٹکراتے تو سرد نمی چھوڑ جاتے۔ اس کے پاؤں کے نیچے، سر کے اوپر، دائیں، بائیں ہر طرف صرف سفید رنگ کا ہی سایہ تھا۔ آج موسم بہت حسین تھا۔ جیسے کوئی کرشمہ ہو۔ آج کی رات جادوئی تھی۔ جیسے کوئی معجزہ ہو۔

وہ مرکزی مسجد کی طرف جا رہی تھی۔ یہ رات کا آخری پہر تھا۔ سارا قلبلار گہری نیند سو رہا تھا۔

جب سے وہ یہاں آئی تھی اس نے دیکھا تھا کہ ایک دہائی پہلے تک صوفیوں اور

ولیوں کا شہر کہلائے جانے والے قلبلار کے گھروں کے چراغ آخری پہر شروع ہونے سے چند گھڑیاں پہلے تک جل رہے ہوتے۔ جوں ہی رات آخری پہر میں داخل ہوتی سب لوگ سو جاتے۔ جو وقت عبادت کے لیے مقرر تھا۔ اس میں قلبلار کے لوگوں کو نیند زیادہ عزیز تھی۔ شاید ان کے لیے نیند، نماز سے بہتر تھی۔

امیرہ مسجد کے پچھلے گیٹ کے پاس پہنچی تو وہ پہلے سے ہی کھلا تھا۔

وہ قدم اندر رکھنے کے لیے آگے بڑھی مگر پھر کسی احساس کے تحت رک گئی۔

اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

مرکزی مسجد کے عین سامنے ایک درگاہ بنی تھی۔ امیرہ کو ابھی تک وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا نہ ہی وہ وہاں جانا چاہتی تھی۔ مگر نجانے کیوں اس کے قدم خود بخود درگاہ کی لمبی چوڑی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔

اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اَن دیکھی سی طاقت اسے اپنی طرف بلا رہی ہو۔ یا شاید کھینچ رہی ہو۔

وہ غائب ذہنی سے چوڑے زینے چڑھتی گئی۔

اسے واپس لوٹ جانا چاہیے تھا مگر قدم تھے کہ سمت بدلنے کو تیار ہی نہیں تھے۔

وہ اوپر آئی، تو وہاں مکمل سکوت طاری تھا۔ بظاہر اس کے علاوہ کوئی دوسرا نفس وہاں موجود نہیں تھا۔

بے دھیانی میں وہ ایک پودے سے ٹکرائی تو حواس واپس لوٹے۔ اس نے نظر ادھر اُدھر دوڑائی۔

اُف۔ وہ یہاں آئی ہی کیوں؟

سر جھٹک کر پلٹ گئی۔

"مجھے مت مارو۔" منت بھری ایک آواز سماعت سے ٹکرائی تو اس کے قدم بے ساختہ زنجیر ہوئے۔

www.novelsclubb.com

"تم جو بھی کہو گے میں وہ کروں گا۔ لیکن خدا کے لیے الادین مجھے مت مارو۔"

وہ واپس مڑی اور اس آواز کا تعاقب کیا۔ کچھ قدم چلنے کے بعد وہ ایک بڑے سے پیڑ کے قریب رکی۔

اس درخت کی ٹہنیوں اور شاخوں پہ جگہ جگہ سرخ دھاگے بندھے تھے۔ لوگ

اپنی منتیں مرادیں لے کر درگاہ پر آتے تھے۔ سمجھتے تھے پیپل کے پیڑ پر دھاگے باندھنے سے ان کی دعائیں قبول ہو جائیں گی۔ نادان لوگ۔

امیرہ نے پیڑ کی اوٹ سے چھپ کر دوسری طرف جھانکا۔

خون سے لت پت ایک آدمی کے گلے کے گرد پھانسی کا پھندا مقید تھا اور وہ درخت سے نیچے لٹک رہا تھا۔ اس کے پاؤں لکڑی کی ایک چوکی پر ٹکے تھے۔ اس کی سامنے سر تا پوؤں سیاہ چغے میں پوشیدہ ایک خوفناک ہیولا سا کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ بھی ہڈ سے ڈھکا تھا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری جان بخش دوں تو قلبلار چھوڑ کر چلے جاؤ۔ اتنی دور کہ سب تمہاری موت کا گمان کر کے تمہیں مردہ قرار دے دیں۔" اس کی سرد آواز فضا میں گونجی۔

اتنی سرد کے امیرہ کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

چہرے سے ٹکرانے والے برف کے گالے امیرہ کو اس کی آواز کے مقابلے میں گرم لگے تھے۔

پھندے میں پھنسا آدمی شش و پن میں پڑ گیا۔

خوفناک ہیولا آگے بڑھا اور اپنی ٹانگ آدمی کے پاؤں کے نیچے موجود چوکی پہ رکھی۔ پھر اسے اس کے نیچے سے کھسکا دیا۔ آدمی سانس لینے کے لیے مشقت کرنے لگا۔ اس کا رنگ سفید پڑھنے لگا۔

"میں.... چلا جاؤں.... گا۔ قلبلار سے.... چلا جاؤں گا۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

چغے میں ملبوس آدمی نے ہاتھ میں پکڑا خنجر نکالا اور اسے نشانہ تان کر لٹکتی رسی کی طرف اچھال دیا۔

رسی کٹ گئی۔ وہ آدمی آزاد ہو کر نیچے جا گرا۔

اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھنے والا مخفی وجود پنجوں کے بل اس کے ساتھ بیٹھا۔

"آج کا سورج نکلنے سے پہلے قلبلار کو الوداع کہہ دینا۔ ورنہ کل کا سورج دیکھنے کے لیے تم زندہ نہیں بچو گے۔" پھر اس نے زمین پہ گرا ہوا خنجر اٹھا کر اپنے چغے میں کہیں اندر رکھا اور اٹھ گیا۔

دوسرا آدمی افراتفری میں اٹھا۔اور دُم دبا کر بھاگ گیا۔مڑ کر پیچھے دیکھا تک نہیں۔

اب وہ دونوں وہاں اکیلے تھے۔امیرہ کو یہ منظر دیکھنے کے بعد وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔ مگر وہ وہیں کھڑی رہ کر اسے دیکھتی رہی۔

وہ آدمی اپنی ہڈ چہرے سے ہٹانے لگا۔ مگر پھر ہاتھ چہرے تک لے جاتے لے جاتے رک گیا۔

اور تب امیرہ کو احساس ہوا کہ وہ اب درخت کی اوٹ میں چھپی ہوئی نہیں تھی۔ وہ عین اس کے سامنے کھڑی تھی۔وہ یقیناً اپنی ہڈ کے پیچھے سے اسے دیکھ سکتا تھا۔

مارے خوف کے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔دھک۔دھک۔ دھک۔

وہ گہرے گہرے سانس لیتی،الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔وہ آدمی بھی قدم آگے اٹھاتا گیا۔

امیرہ ایک قدم پیچھے ہٹتی تو وہ دو قدم آگے بڑھتا۔

وہ اس کے بے حد قریب پہنچ چکا تھا جب اس نے ایک اور قدم پیچھے رکھا ہی تھا کہ پاؤں تلے موجود برف پر اس کا پاؤں پھسلا اور وہ پیچھے کی طرف گری۔ مگر آدمی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اور پھر....

ایک لمحے کے لیے ساری دنیا تھم گئی۔

آسمان سے گرتی روئی ہوا میں ہی جم گئی۔اس کے سینے میں دھک دھک کرتا دل ساکن ہو گیا۔ہوا کے جھونکے بھی جیسے رک سے گئے۔

وہ لمحہ آیا۔امیرہ نے اسے محسوس بھی کیا۔اور پھر وہ گزر گیا۔اس کی دھڑکن پھر سے تیز ہو گئی۔روئی کے گالے ان دونوں کے درمیان واپس گرنے لگے۔ہوا کے جھونکے دوبارہ چل پڑے۔

"ہاتھ چھوڑ دوں۔یا تھامے رکھوں؟" وہ اسی سرد آواز میں مخاطب ہوا۔

مگر امیرہ کی نظریں اپنے ہاتھ کو پکڑے اس کے ہاتھ پر مرکوز تھیں۔

کیا موسم سرما کی اس قدر سرد، برفیلی رات میں ایک بے حد ہیبت ناک وجود اتنی

نرم گرماہٹ کا اہل ہو سکتا تھا جسے وہ اس وقت اپنے ہاتھ پہ محسوس کر رہی تھی۔

وہ متحیر ہوئی۔

پھر اس نے گردن پیچھے موڑ کر دیکھا۔اس کا ایک پاؤں ہوا میں تھا اور دوسرا پہلی سیڑھی کے کنارے پر۔

نیچے سفید برف سے اٹی سیڑھیاں تھیں۔اگر وہ اس کا ہاتھ چھوڑ دیتا تو وہ سیدھی سیڑھیوں کے دھانے پر جا گرتی اور بہت بری طرح سے زخمی ہو جاتی۔

امیرہ نے چہرہ واپس اس کی طرف موڑا۔

آدمی نے اسے ہولے سے اپنی طرف کھینچا اور پھر ایک جھٹکے میں اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

www.novelsclubb.com

اس کے بعد وہ سیڑھیاں اتر کر وہاں سے چلا گیا۔امیرہ اسے پیچھے سے جاتا دیکھتی رہی۔

بے دھیانی میں اس نے اپنا ہاتھ دائیں گال پر لگایا تو سردی سے ٹھنڈے پڑتے چہرے پر ہلکی سی گرمی ملی۔

یہ وہی ہاتھ تھا جو تھوڑی دیر قبل اس آدمی نے پکڑ رکھا تھا۔

آخر اس آدمی کا ہاتھ اتنا گرم کیوں تھا؟

وہ اب تیس کی تیس سیڑھیاں اتر چکا تھا۔ پھر وہ دائیں طرف مڑا۔ اور پھر نظر سے اوجھل ہو گیا۔

امیرہ شدید کش مکش کا شکار ہوئے وہیں کھڑی رہی۔

اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا تو گرم ہتھیلی کے نیچے دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"کیا تھا یہ؟" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ وہ مزید الجھن کا شکار ہو گئی۔

"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔"

اذان کی آواز پہ وہ خیالوں سے باہر نکلی۔ اور سر جھٹکا۔

اس کی تہجد قضا ہو گئی تھی۔ اُف۔

وہ دل ہی دل میں خود کو ملامت کرتی سیڑھیوں سے نیچے اتری۔

مسجد پہنچ کر دوبارہ وضو کیا۔ پھر باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد گھر واپس چلی گئی۔

بادلوں میں چھپا سورج طلوع ہوا تو وہ اسلام صاحب کے مدرسے جانے کے لیے دوبارہ گھر سے باہر نکل آئی۔

قلبلار کا کونا کونا برف سے اٹا تھا۔ جس کے پگھلنے کے دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔

اس نے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈال لیے اور گلی کے ایک طرف دھیان سے چلنے لگی۔ وہ اگلا موڑ مڑی تو بہت بری طرح دوسری طرف سے آتی ایک لڑکی سے ٹکرائی۔ اس کے ہاتھ میں موجود کتابیں زمین پہ جا گریں۔

"آنکھوں کی جگہ بٹن لگا کر گھوم رہی ہو؟" لہجے میں بے پناہ ناگواری لیے وہ نیچے جھک کر اپنی کتابیں اٹھانے لگی۔

www.novelsclubb.com

"یہی بات میں بھی تم سے کہہ سکتی ہوں۔" امیرہ نے مسکراہٹ دبائی۔

تیزی سے حرکت کرتے، لڑکی کے ہاتھ تھمے۔ اس نے حیرت سے سر اٹھا کے امیرہ کو دیکھا۔

"امیرہ تم؟" ہلکی بھوری آنکھوں میں خوشگوار حیرت تھی۔ وہ جلدی سے کتابیں

اٹھا کے اٹھی۔

"کیسی ہو حریم؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو؟" اس نے ہاتھ ملانے کے لیے بازو آگے بڑھایا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ الحمدللہ۔" امیرہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ یخ ٹھنڈا تھا۔ بالکل امیرہ کے ہاتھوں کی طرح۔

اسے بے اختیار کل رات والا واقع یاد آیا تھا۔

"آؤ تمہیں اپنے ہاتھ کا ناشتہ کرواتی ہوں۔" حریم نے پیشکش کی۔

"شکریہ حریم لیکن پھر کبھی سہی۔"

"زیادہ نخرے مت دکھاؤ۔ اور چلو میرے ساتھ۔ میں کچھ نہیں سن رہی۔" اس نے امیرہ کا بازو اپنے بازو میں ڈالا۔ پھر جیسے رک کے آنکھوں میں بے پناہ منت لیے امیرہ کی تائید چاہی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس کے اتنے اصرار پر امیرہ کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

وہ دونوں قلب کی طرف چل دیں۔

وہ دونوں غزال نامی قہوہ خانے میں پہنچیں تو حریم اسے ایک طرف بچھے میز کی طرف جانے کا اشارہ کہہ کر غائب ہو گئی۔امیرہ اس طرف گئی اور ایک کرسی چوڑ کر دوسری پہ بیٹھ گئی۔اس نے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑ کر چہرے سے لگائے۔قہوہ خانے کا یہ مرکزی ہال کافی گرم تھا کیونکہ وہاں موجود چار پانچ آتشدانوں میں آگ جل رہی تھی۔فضا میں بھی الائچیوں اور پتی کی خوشبو رچی بسی تھی۔

اس نے گردن گھما کے آس پاس کے لوگوں کو دیکھا۔سب ناشتے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔اس کی نظر زمین پہ گرے اخبار پہ پڑی تو اسے اٹھانے کے لیے نیچے جھکی۔مگر اس سے پہلے وہ ایسا کر پاتی ٹخنوں سے اوپر آتے سیاہ بوٹ میں مقید ایک پاؤں اخبار کے اوپر پڑا اور اپنی چھاپ چھوڑ کے آگے بڑھ گیا۔امیرہ نے سر اٹھا کے سخت نظروں سے سیاہ پینٹ اور جیکٹ میں ملبوس ہیٹ والے لڑکے کو پیچھے سے جاتے ہوئے دیکھا۔جو اس کی طرف پشت کیے سامنے والے میز کے گرد ایک کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

"بد تہذیب نہ ہو تو۔"ناگواری سے آنکھیں گھما کے منہ میں بڑبڑائی۔

پھر اخبار اٹھا کے واپس میز پہ رکھی۔ تھوڑی دیر بعد حریم ایک لڑکے کے ساتھ واپس آئی۔

وہ سفید شرٹ کے اوپر بنا آستینوں والی نیلے رنگ کی گرم جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ گلے کے گرد سیاہ مفلر حائل تھا۔ گہرے بھورے بال، قلموں اور سر کے پیچھے سے استرا پھیر کے صاف کیے گئے تھے۔ حریم کی طرح اس کے بال بھی گھنگرالے تھے جو سلوٹوں کی صورت ماتھے پہ گرتے تھے۔ ان دونوں کی شکل میں امیرہ کو ہلکی ہلکی مشابہت محسوس ہوئی تھی۔

"حرم یہ امیرہ ہے جس نے کل میری مدد کی تھی۔ اور امیرہ، یہ حرم ہے۔" قریب پہنچ کر حریم نے ان دونوں کا تعارف کروایا۔

"امیرہ۔" وہ سر کو جنبش دیتا مخالف سمت والی کرسی پہ جا بیٹھا۔ "تو کس ریاست کی شہزادی ہو تم، امیرہ؟" بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

وہ پھیکا سا مسکرائی۔ "امیرہ نام رکھ لینے سے کوئی شہزادی تھوڑے ہی نہ بن جاتا ہے۔"

"یہ تو ہے۔" حرم نے افسوس سے دونوں ہونٹ ملائے۔

"تم دونوں باتیں کرو میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔" حریم یہ کہہ کے پھر سے باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

"تو تم یہاں نئی آئی ہو؟" حرم کیتلی سے چائے پیالی میں انڈیلنے لگا۔

"ہاں۔ایک مہینہ پہلے ہی آئی ہوں۔"

"تمہیں اس پورے کرہ ارض پہ صرف یہی ایک شہر ملا تھا۔" پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سیاہ آنکھوں میں اچنبھا تھا۔

"شہر تو اور بھی تھے، مگر مجھے یہیں آنا تھا۔" امیرہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر پیالی اس کے ہاتھ سے لے لی۔

www.novelsclubb.com

"کوئی خاص وجہ؟"

"بس ایک امید کہ برسوں پہلے جسے یہاں کھو دیا تھا وہ یہیں ملے گا۔"

"یعنی تم یہاں کسی کی تلاش میں آئی ہو۔" وہ اب ایک دوسری پیالی میں اپنے لیے چائے ڈال رہا تھا۔

اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"میں تمہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ مگر یہ تو تمہیں بھی معلوم ہو گا کہ قلبلار میں جو ایک مرتبہ کھو جائے وہ واپس نہیں ملتا۔"

"جو کھویا ہے، اگر وہ میری قسمت میں ہے تو مجھے ضرور ملے گا۔" وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی تھی۔ "میرا اس بات پہ یقین ہے۔"

"امید کرتا ہوں تمہارا یقین کبھی نہ ٹوٹے۔" حرم نے مسکرا کے کہتے ہوئے پیالی منہ سے لگائی۔

وہ مسکرایا تھا تو اس کے دونوں گالوں پہ گڑھے بنے تھے۔

"شکریہ۔" وہ بھی جواباً مسکرائی۔ پھر خیال آیا تو سرسری سے انداز میں پوچھا۔ "حریم تمہاری بہن ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ۔" اس نے جھنجھلا کے پیالی منہ سے ہٹائی۔ اور ہاتھ منہ تک لے جا کے ہونٹ کا معائنہ کیا۔ یقیناً اس کا منہ جلا تھا۔ "اللہ میرے ڈراؤنے خوابوں میں بھی اسے میری بہن نہ بنائے۔" اس کے تاثرات ظاہر کرتے تھے وہ اس بات

پہ خاصہ بدمزہ ہوا ہے۔ "آئندہ ایسی نامعقول بات بھول کر بھی مت کرنا۔ میں برا مان جاؤں گا۔"

امیرہ نے مسکراہٹ دبائے، سمجھ کے سر ہلا دیا۔

"میں اور وہ ایک دوسرے کے سب سے بہترین دوست ہیں۔" تھوڑی دیر بعد وہ نرم سے لہجے میں بولا۔

"خانساماں حریم بنتِ ہاشم کے ہاتھ کے گرما گرم پراٹھے تیار ہیں۔" حریم ہاتھ میں چینی کی پلیٹ تھامے سامنے سے نمودار ہوئی۔ "تم یہ کھاؤ گی نا تو ہر صبح یہاں آنے کے بہانے ڈھونڈو گی۔" پلیٹ میز پہ رکھی اور امیرہ کے مقابل کرسی کھینچ کے بیٹھی۔

www.novelsclubb.com

"یہ تو واقعی بہت مزیدار ہے۔" پلیٹ میں موجود پراٹھے کا نوالہ لیتے ہوئے امیرہ نے ستائشی انداز میں کہا۔

حریم نے گردن کڑا کے کندھے سے دھول جھڑی۔ پھر کیتلی اٹھا کے اپنے لیے پیالی میں چائے نکالنے لگی۔

امیرہ دوسرا نوالہ منہ میں ڈالنے لگی تو اسے کل رات پیش آنے والا واقعہ یاد آیا۔ اس نے نظریں اٹھا کے پہلے سامنے بیٹھے حرم کو دیکھا۔ پھر ساتھ بیٹھی حریم کو۔ قلبلار کے ایک جرائم پیشہ گروہ سے وابستہ دو لوگ۔

"کیا ہوا؟" اس کے اچانک رکنے پر حریم نے ابرو اٹھائے۔

اس نے نوالہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

دونوں ہاتھ باہم پھنسا کے قدرے رازداری سے بولی۔ "یہ الادین کون ہے؟"

"الادین کا نام کہاں سن لیا تم نے؟" حرم نے پوچھا۔

"نام نہیں سنا۔ کل رات اسے دیکھا ہے۔" امیرہ نے عام سے انداز میں کندھے اچکائے۔

www.novelsclubb.com

"کیا!" حریم کی چیخ نکلی۔ اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لیے۔ آس پاس بیٹھے لوگ ایک لمحے کے لیے ان کے میز کی طرف متوجہ ہوئے پھر واپس ناشتے میں مصروف ہو گئے۔

"اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو؟" امیرہ اس کے ردِ عمل پر چونکی۔

"کیونکہ الادین کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے۔کچھ لوگ تو اسے محض ایک پرچھائی کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔"حریم خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"مگر پھر بھی سب اس سے ڈرتے ہیں۔"حرم نے مداخلت کرتے ہوئے جتایا۔

"مگر وہ ہے کون؟"

حرم نے پیچھے مڑ کے سامنے والے میز کی طرف اشارہ کیا۔"وہ ہیٹ والا آدمی دیکھ رہی ہو۔الادین اس کا کرائے کا قاتل ہے۔وہ اس کے لیے اس کے دشمنوں کا قتل کرتا ہے۔"

"جب بھی وائل نے کسی کا پتا صاف کرنا ہوتا ہے تو وہ الادین کو اس کی جان لینے کا حکم دے دیتا ہے۔اسی لیے تو سب وائل بن آدم سے اتنا ڈرتے ہیں۔اس کے ساتھ دشمنی مول لینے کی حماقت نہیں کرتے۔"حریم نے پیالی منہ سے لگائی۔

(تو یہ ہے قلبلار کا عفریت۔)امیرہ نے تیکھی نظریں اس کی پشت پہ جمائے سوچا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بنا پیچھے کی طرف مڑے،ہاتھ اوپر اٹھا کے ایک تڑامڑا

کاغذان کے میز کی طرف اچھالا جو عین وسط میں آ کے گرا۔ حرم نے اسے کھول کے پڑھا اور پھر بیزاری سے آنکھیں گمائیں۔

"مجھے بھی دکھاؤ کیا لکھا ہے؟" حریم نے جھپٹ کر کاغذ اس کے ہاتھ سے کھینچا۔

"میری طرف اشارے کرنا بند کرو۔" اس نے اونچی آواز میں پڑھا۔ اور پھر ناگواری سے منہ بسورا۔

"اسے کیسے پتہ چلا کہ حرم اس کی طرف اشارے کر رہا ہے؟" امیرہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

"وائل کی دو آنکھیں اس کے سر کے پیچھے بھی موجود ہیں۔ اسے سب پتہ ہوتا ہے۔" قدرے خفگی سے کہہ کے حریم نے کاغذ کی گیند بنا کے واپس اس کی طرف اچھال دیا۔

اس کے بعد وہ تینوں معمول کی باتیں کرنے لگے جب حرم نے پوچھا۔

"تمہارا پورا نام کیا ہے امیرہ؟"

"امیرہ بنتِ آدم۔" نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے وہ مسکرا کے بولی۔

حریم نے اونچا سا قہقہہ لگایا۔امیرہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"وائل کی طرح تم نے بھی اپنے نام کے ساتھ آدم اس لیے لگا رکھا ہے کیونکہ تم آدم زاد ہو یا تمہارے والد کا نام واقعی میں آدم ہے؟" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

امیرہ چونکی۔اس نے ایک نظر وائل کی پشت پہ ڈالی۔پھر نظریں حرم اور حریم کی طرف موڑیں۔وہ دونوں اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"میرے بابا کا نام آدم ہی ہے۔" وہ پورے اعتماد سے بولی تھی۔پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

حریم اب ان دونوں کو کسی کتاب کی کہانی سنا رہی تھی۔جسے حرم پورے دھیان سے سن رہا تھا۔البتہ امیرہ کی سخت نظریں قلبلار کے عفریت پر ہی مرکوز تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہران۔

یہ منظر غابانیہ کے پانچ سرنگوں والے جنگل کا ہے جہاں اونچے لمبے درختوں کی آسمان کی طرف جاتی شاخوں نے ایک قدرتی چھت ترتیب دے رکھا تھا۔جس کے

باعث سورج کی روشنی جنگل کے فرش پہ پڑنے سے قاصر تھی۔

ہوا نم مٹی، بوسیدہ پتوں اور جنگلی پھولوں کی خوشبو سے معطر محسوس ہوتی تھی۔ پتوں کی سرسراہٹ، گلہریوں کی گنگناہٹ، پرندوں کی چہچہاہٹ، اور کہیں دور سے آتی دیگر جانوروں کی منفرد آوازیں اس بات کا ثبوت تھیں کہ جنگل زندہ تھا۔

حاتم اور نقاب پوش لڑکی گیلے فرش پر محتاط قدم رکھ کے چل رہے تھے۔ لڑکی آگے تھی اور حاتم پیچھے۔ اس نے سیاہ بالوں کا اونچا جوڑا بنا رکھا تھا۔ ہاتھ میں ایک بڑا سا بانس تھا جس کے سرے پہ اتنا زیادہ کپڑا لپٹا تھا کہ وہ حجم میں کافی موٹا نظر آتا تھا۔ وہ اس بانس کی مدد سے آس پاس کے درختوں کی جانچ پڑتال کر رہی تھی۔ میان میں مقید ایک تلوار اس کے پہلو میں لٹک رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے کندھے پہ ایک کپڑے کا تھیلا بھی ڈال رکھا تھا جس میں نجانے کیا کیا موجود تھا۔

خود حاتم نے لکڑیوں کی ایک گٹھڑی اٹھا رکھی تھی۔ اس کے کندھے کا زخم کافی حد تک بھر چکا تھا۔ نجانے کون سی طاقتور جڑی بوٹیوں کا استعمال کیا تھا اس لڑکی نے کہ اب درد بھی نہیں ہوتا تھا۔

آج صبح جنگل کے غار والے حصے میں بارش ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے لکڑیاں گیلی ہو چکی تھیں۔اس لیے وہ دونوں کچھ میل کی مسافت پہ موجود خشک حصے سے لکڑیاں لینے گئے تھے۔

حاتم کو ہوش میں آئے دو دن بیت چکے تھے۔اور پچھلے دو دنوں میں اسے اس لڑکی کے بارے میں جاننے کو بہت کچھ ملا تھا۔چور ہونے کے ساتھ ساتھ وہ تسکر (سمگلر) بھی تھی۔

نہران پچھلے چند سالوں سے ایک وبائی بحران کا شکار تھا۔ جس کا علاج پانچ سرنگوں والے جنگل میں پائے جانے والے مخصوص پتوں سے ہوتا تھا۔کچھ چور جنگل میں سے وہ پتے لے کر جانے والے فوجیوں پر حملہ کر کے انہیں غیر قانونی طریقے سے دوسرے ملکوں میں تسکری (سمگل) کر کے لے جاتے۔چونکہ پتوں کی پیداوار محدود تھی اس لیے مجبوراً حکومت کو اپنے ہی ملک سے چوری ہوئی ادویات مہنگے داموں خریدنا پڑتیں۔

گذشتہ روز نقاب پوش کی نیند کا فائدہ اٹھا کر جب حاتم نے اس کے سامان کی

تلاشی لی تھی تو بھاری مقدار میں وہ پتے برآمد ہوئے تھے۔ ہو نہ ہو وہ لڑکی کسی بڑے گروہ کا حصہ تھی۔

اس کے علاوہ وہ ایک بہترین لکڑہار بھی تھی۔ حاتم نے جو لکڑیاں اٹھائی ہوئی تھیں وہ اسی نے کاٹی تھیں۔

"کیا بات ہے بھگوڑے قیدی۔ بڑے خاموش ہو آج؟" آگے چلتے چلتے نقاب پوش نے تمسخرانہ انداز میں سوال کیا۔

"بھگوڑا قیدی نہیں ہوں میں۔" حاتم نے تلملا کر برا منہ بنایا۔ "جب ایک زخمی انسان سے اتنا وزن اٹھواؤ گی تو وہ خاموش ہی ہو گا نا۔" منہ میں بڑبڑاتے ہوئے سر جھٹکا۔

www.novelsclubb.com

"اب تم زخمی نہیں ہو۔ اچھے بھلے ہو۔ کھا، پی تو سب کچھ جاتے ہو۔ کام کرتے وقت تمہیں زخم یاد آجاتے ہیں۔"

"تم مجھے یہاں سے باہر کب نکالو گی؟" حاتم نے اس کے طنز کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"جب مجھے یقین آجائے گا کہ تم میری مخبری نہیں کرو گے۔" اس کی آواز میں بے پناہ سنجیدگی در آئی۔

"اور اگر میں زبان دوں کہ نہیں کروں گا تو؟" حاتم کا انداز بھی سپاٹ تھا۔

"تمہاری زبان پر مجھے بالکل یقین نہیں ہے۔ کیا پتہ اچانک حب الوطنی جاگ جائے تمہارے اندر اور مجھے گرفتار کروا دو۔"

حاتم نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

اور پھر....

اچانک فضا میں ایک کشیدگی کی لہر سی محسوس ہونے لگی۔ حاتم تو گویا پتھر کا بت بن گیا۔ اس نے فکر مند نظریں اٹھا کے آگے چلتی لڑکی کو دیکھا۔ اس کے قدم بھی یکدم زنجیر ہوئے تھے۔

حاتم کو اپنی گردن کے پیچھے کچھ کانٹے دار سا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے ایک غیر واضح سا انتباہ ہو کہ وہ اب اکیلے نہیں تھے۔ کوئی اور جاندار بھی وہاں موجود تھا۔ اس کے آگے کھڑی لڑکی آہستہ سے ایڑیوں کے بل پیچھے مڑی۔ پھر اس نے حاتم

کے پیچھے نظر دوڑا کر درختوں اور جھاڑیوں کو جانچا۔

"بھاگنا مت۔" سبز آنکھیں حاتم پہ جمائے اس نے آہستہ سی آواز میں گردن دائیں بائیں ہلاتے ہوئے تنبیہ کی۔

حاتم بھی آرام سے پیچھے مڑا۔ جو منظر دکھائی دیا اس نے حاتم بن خیام کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ اس کل دل اچھل کے جیسے حلق کو آن پہنچا تھا۔ عین اس کے مخالف.... چند میٹر کے فاصلے پر.... جنگل کے سب سے خطرناک، گوشت خور حیوانوں میں سے ایک سامنے کھڑا تھا۔

چیتا۔

لکڑیوں کی گٹھڑی بے ساختہ اس کے ہاتھوں سے گر گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے کے لیے اس کی سنہری نظریں چیتے کی آگ دیدہ سنہری آنکھوں سے ملی تھیں۔ اور پھر حاتم بن خیام نے رُخ دوسری جانب کر کے دیوانہ وار بھاگنا شروع کر دیا۔

"بھاگو مت نامعقول انسان۔" وہ ہانپتے ہوئے نقاب پوش کے پاس سے گزرا تو

وہ چلائی تھی۔

حاتم اس سے تھوڑا پیچھے جا کر رک گیا۔اس نے رُخ چیتے کی جانب پھیرا۔

چیتا بے حد آہستہ مگر ہولناک قدم اٹھاتا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔حاتم نے چیتے کے قدرے لڑکھڑاتے قدموں کو غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی داہنی ٹانگ زخمی تھی۔

"اپنے پیچھے برگد کا پیڑ دیکھ رہے ہو؟" حاتم کے مقابلے وہ پر سکون مگر خبر دار تھی۔

اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔"ہاں۔"

"جب تک میں اس کے ساتھ نمٹتی ہوں تم خلائی جڑوں کی مدد سے درخت کے اوپر چڑھنے کی کوشش کرو۔پھر تم مجھے بھی اوپر کھینچ لینا۔سمجھے؟"

"اور اگر یہ درخت پر بھی چڑھ گیا تو؟" حاتم نے پریشانی کے عالم میں ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسے درخت پر چڑھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑوں گی۔" وہ عجیب سے

لہجے میں بولی تھی۔"اب جاؤ۔"

چیتا اس پر جھپٹا مگر اس نے بانس اس کے حلق کے اندر گھسیڑ دیا۔اور پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیلنے لگی۔اس کی بہادری دیکھ کر حاتم پہ سکتا سا طاری ہو گیا۔اسے نقاب پوش کو اس طرح پیچھے چھوڑ کے بھاگنے پر بے انتہا شرمندگی محسوس ہوئی۔

"نامعقول انسان بھاگو۔"وہ غصے سے چلائی تھی۔

حاتم بھاگ کر برگد کے پیڑ کے پاس آیا۔نیچے لٹکتی رسی نما خلائی جڑوں کو پکڑ کر وہ اوپر چڑھنے لگا۔اس کوشش میں اس کے ہاتھ چھل گئے تھے مگر وہ ایک انتہائی اونچی اور موٹی ٹہنی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔اس نے خود کو محفوظ مقام پر جان کر لڑکی اور چیتے کے بیچ ہوتی جنگ کا جائزہ لیا۔پھر جس ٹہنی پہ وہ بیٹھا تھا اس کی اونچائی جانچی۔اگر وہ بھاگ کر پیڑ کے قریب آ بھی جاتی تو وہ اتنے اونچے مقام پر تھا کہ مکمل نیچے جھک کر بھی اسے اوپر نہ کھینچ پاتا۔وہ یکدم پریشان ہو گیا۔

اس نے نظر واپس چیتے اور نقاب پوش کی طرف گمائی۔ بانس اب اس کے ہاتھ سے گر چکا تھا۔اور اس نے میان میں سے اپنی تلوار نکال لی تھی۔جو اس نے پوری قوت سے چیتے کی باہنی ٹانگ پہ دے ماری۔یوں کہ اس کی ٹانگ کی ہڈی میں اتنا زخم آجائے کہ وہ لمبی چھلانگیں نہ لگا سکے۔چیتا درد سے بلبلایا تھا۔اس چیتے سے لڑتے ہوئے وہ خود بھی اسے کسی شیرنی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔وہ متاثر ہو کے مسکرایا۔اگلے لمحے نقاب پوش نے اپنے تھیلے سے ایک ہرے مائع کی بوتل نکالی۔ اور ڈھکن کھول کے اسے چیتے کی آنکھوں میں اچھال دیا۔وہ بنا کسی سمت کے اچھلنے لگا۔

اس نے تلوار واپس میان میں ڈالی۔زمین پہ گرا بانس اٹھایا۔اور ایک آخری مرتبہ چیتے کو پرے دھکیل کے بے حد تیز رفتار میں بھاگتی پیڑ کی طرف بڑھنے لگی۔ بانس اس نے وہیں پھینک دیا تھا۔وہ پیڑ کے پاس پہنچی تو نیچے لٹکتی جڑوں میں سے ایک کو پکڑ کے کسی بلی کی طرح اوپر چڑھتی گئی۔حاتم اس کے اس کرتب پر حیران ہوا۔خود وہ اتنی مشکلوں سے اوپر چڑھا تھا اور وہ اس کے لیے تو یہ جیسے بائیں ہاتھ کا

کھیل تھا۔جوں ہی وہ حاتم کے قریب پہنچی اس نے بازو لمبا کر کے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں لے لیا۔چیتا بھی لمبی چھلانگیں لگاتا درخت کی طرف بھاگا تھا۔مگر دونوں زخمی ٹانگوں کی وجہ سے اس کی رفتار بہت زیادہ حد تک متاثر ہو رہی تھی۔پاس پہنچ کر وہ نیچے سے نقاب پوش پر جھپٹنے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ دونوں کافی اونچی ٹہنی پر تھے۔اور زخمی ٹانگوں کی وجہ سے چیتا اتنی لمبی چھلانگ لگانے کا اہل ہونے کے باوجود ایسا کرنے سے قاصر تھا۔

حاتم نے اپنی ساری توانائی اور قوت نقاب پوش اوپر کھینچنے میں لگا دی۔یہاں تک کے اس کے زخم کے ٹانکے تک کھل گئے۔سفید شرٹ خون سے رنگ گئی۔

مگر چند لمحوں کی کٹھن محنت کے بعد وہ اسے اوپر کھینچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ اب ٹہنی پہ بیٹھی گہرے سانس لے رہی تھی۔اس کا تنفس قدرے بحال ہوا تو غصیلی سبز آنکھیں اٹھا کے حاتم کو دیکھا۔"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جنگلی جانوروں کو دیکھ کر بھاگتے نہیں ہیں؟"وہ شدید غصے اور جھنجھلاہٹ سے با قائدہ چلائی تھی۔

"تو وہاں کھڑا ہو کے کیا یہ کہتا،کہ آ چیتے مجھے کھا جا؟"حاتم بھی جواباً اسی کے

انداز میں بولا تھا۔

"شکر مناؤ کہ اس کی ایک ٹانگ پہلے سے زخمی تھی ورنہ اپنی حماقت کی وجہ سے اس وقت تم اس کے پیٹ کے اندر ہوتے۔" اس نے تلخی سے کہتے ہوئے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

کچھ لمحے وہ دونوں خاموشی سے نیچے سے ان پر جھپٹنے کی سعی کرتے چیتے کو دیکھتے رہے۔ وہ انہیں آگ دیدہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے دھاڑ رہا تھا۔ مگر وہ دونوں اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے احتیاط برت رہے تھے۔

"مجھے کبھی جنگل میں رہنے کی تربیت نہیں دی گئی۔" بلآخر حاتم نے مایوسی سے بولتے ہوئے ان کے درمیان کی خاموشی کو توڑا۔

www.novelsclubb.com

اس نے گردن پھیر کے حاتم کی طرف دیکھا۔ "غابانیہ کا شہری ہوتے ہوئے بھی تمہیں جنگل میں رہنے کی تربیت نہیں دی گئی؟" وہ اس اعتراف پہ بہت حیران ہوئی تھی۔

"ہمارے ملک میں عام شہریوں کو جنگل میں رہنے کی تربیت نہیں دی جاتی۔ ایسی

تربیت حاصل کرنا صرف فوجیوں پر لازم ہوتا ہے۔ فوجی بھی وہ جنہوں نے جنگلات کے قریب رہنا ہوتا ہے۔ عام شہریوں کے لیے صرف کتابی تعلیم ہی ہوتی ہے۔ باقائدہ تربیت نہیں دی جاتی۔"

"تو سکول میں جب جنگلی حیات کی کتابیں پڑھائی گئی تھیں، تب کیا تم سو رہے تھے؟""اس کا لہجہ بے پناہ خفگی لیے ہوئے تھا۔

"میرا بچپن اور لڑکپن غابانیہ میں نہیں گزرا۔" حاتم کی نظریں اب بھی زمین پہ موجود ان کی طرف جھپٹتے چیتے پر مرکوز تھیں۔

"خیر تم وہ کتابیں پڑھ لیتے تو بھی کچھ خاص فائدہ نہیں ہونا تھا۔" اس نے دونوں ہاتھ باہم جھاڑے۔

www.novelsclubb.com

"کیوں؟"

"تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ کتابیں صرف رہنمائی کر سکتی ہیں۔ کسی بھی چیز میں مہارت انسان نے خود ہی حاصل کرنی ہوتی ہے۔ اور وہ حاصل ہوتی ہے تربیت اور مستقل مزاجی سے۔" اس کے لہجے میں اب سختی کا کوئی عنصر باقی نہ تھا۔ "اب

میری مثال ہی لے لو۔ میرے گاؤں کے جنوب میں گھنا جنگل ہے۔ اس لیے ہمیں بارہ سال کی عمر سے ہی جنگل میں اپنا تحفظ کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ جنگلی جانوروں سے کیسے بچنا ہے، شکار کیسے کرنا ہے، آگ لگانے کے لیے لکڑیاں کیسے کاٹنی ہیں، جڑی بوٹیوں کا استعمال کیسے کرنا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تربیت سب کو ایک سی ہی دی جاتی ہے۔ لیکن اس کا دورانیہ سب بچوں کے لیے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کو چند مہینے لگتے ہیں۔ کسی کو ایک سال۔ کسی کو ایک دہائی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سب بچوں کی سیکھنے کی صلاحیت ایک سی نہیں ہوتی۔" وہ تیز تیز بول رہی تھی اور حاتم پوری توجہ سے اسے سن رہا تھا۔

"لیکن میں نے دیکھا ہے، چند مہینے صرف انہیں بچوں کو لگتے ہیں جو مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ وہ جو تعلیم اور تربیت.... دونوں کو ایک ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ انہیں ہر روز کھانا ملے یا نہ ملے، وہ اپنی تربیت کو ایک دن کے لیے بھی رکنے نہیں دیتے۔ ہر روز فجر کے بعد وہ اپنے استاد کے ساتھ جنگل میں نکل جاتے ہیں۔ ظہر تک وہ سارا وقت وہیں گزارتے ہیں۔ وہاں انہیں پہلے جنگلی حیات کے بارے میں تعلیم

دی جاتی ہیں۔ پھر اس معلومات پر عمل کرنے کی تربیت۔اسی معمول کے صرف چند مہینوں میں ہی وہ اس قابل بن جاتے ہیں کہ جنگل میں خود اپنی حفاظت کر سکیں۔" وہ سانس لینے کے لیے رکی۔

"جیسے کہ تم۔" حاتم متاثر ہو کے بولا تھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔اور اپنی بات دوبارہ شروع کی۔"اور اسی عمر کے کچھ بچے نہایت ہی سست اور کاہل بھی ہوتے ہیں۔وہ شروع کے مہینے صرف کتابی تعلیم کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔کسی دن پڑھا، کسی دن ناغہ کر لیا۔اور جب جنگل میں قدم رکھنے کی باری آتی ہے تو انہوں نے جو پڑھ رکھا ہوتا ہے وہ سب انہیں بھول چکا ہوتا ہے۔ان کا وقت اور توانائی دونوں ضائع ہو جاتے ہیں۔اور یوں انہیں جنگل میں اپنا تحفظ کرنے کے قابل ہونے میں کئی سال لگ جاتے ہیں۔اس لیے میرا ماننا ہے کہ کتابیں صرف رہنما بن سکتی ہیں۔ماہر انسان نے خود ہی بننا ہوتا ہے۔"

"ویسے ماشااللہ چوری کے علاوہ بھی تمہیں بہت کچھ آتا ہے۔" وہ واقعی اس سے کے کارنامے سے متاثر ہوا تھا۔

نقاب پوش نے کینہ توزا کھیوں سے حاتم کو گھورا۔"اب اگر تم نے ایک اور مرتبہ مجھے چوری کا طعنہ دیا نا تو میں اس چیتے کی خوراک بنادوں گی تمہیں۔"اس نے ایک بے حد مصنوعی مسکراہٹ چہرے پہ سجا کے بڑے مہذب طریقے سے حاتم کو نیچے گرانے کی دھمکی دی۔

"معذرت۔معذرت۔"اس نے فوراً دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔"ویسے مزاق کے علاوہ کوئی کام ہے بھی جو تمہیں کرنا نہیں آتا؟"اس نے تجسس سے پوچھا۔

ایک دم سے آسمان پہ بادلوں کے گرجنے کی چنگھاڑ سنائی دی تھی۔اور پھر درختوں کی شاخوں سے بنی سبز چھت پہ موٹے قطرے تڑاتڑ برسنے لگے۔تھوڑا تھوڑا پانی نیچے جنگل کے فرش پہ بھی گرنے لگا۔

اس کے ساتھ بیٹھی سبز آنکھوں والی لڑکی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کے بارش کو محسوس کرنا چاہا۔اس کی نظریں آسمان سے برستی رحمت پہ جمی تھی جب وہ آہستہ سی آواز میں بولی۔"تیرا کی۔"

حاتم نے الجھ کر اسے دیکھا۔

اس نے گردن حاتم کی طرف موڑی اور پھیکا سا مسکرائی۔"مجھے تیرنا نہیں آتا۔"اس کی نظر حاتم کے کندھے پر پڑی تو وہ ٹھٹکی۔"تمہارا زخم تو کھل گیا ہے۔"

اس سارے وقت میں حاتم کو پہلی مرتبہ درد کا احساس ہوا تھا۔ورنہ تو وہ اس کی باتوں میں اس قدر کھو سا گیا تھا کہ زخم کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔

اس نے ایک طویل سانس لی۔"تمہارا شکریہ نقاب پوش۔"اس کی آواز میں بے پناہ تشکر تھا۔وہ واقعی خود کو اس کا احسان مند محسوس کر رہا تھا۔

"فلحال تمہارا یہ میٹھا لہجہ مجھے، تمہیں اس جنگل سے نکالنے کے لیے قائل نہیں کر سکتا۔"

حاتم نے مسکرا کے سر جھٹکا۔وہ بھی جواباً مسکرائی۔

"یہ یہاں سے کب جائے گا۔"حاتم نے فکر مندی سے غراتے ہوئے چیتے کی طرف اشارہ کیا۔

"بے فکر رہو۔تھوڑی دیر میں جب اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جائے گا، پھر اسے انگور کھٹے لگنے لگیں گے۔"حاتم کے برعکس وہ اب بھی مطمئن ہی نظر آ

رہی تھی۔

وہ دونوں اب ٹانگیں نیچے لٹکائے، چیتے کے جانے کے منتظر تھے۔

غابانیہ کے بادل آلود آسمان سے رحمت، بارش بن کے ہنوز برس رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

اگلی سہ پہر غزال پہ بہت ہنگامی صورت میں اتری تھی۔

عصر کا وقت قریب تھا جب علینہ غزال میں گاہکوں کو چائے پیش کر رہی تھی۔

ویسے تو حریم نے تنخواہ پہ تین کم عمر خادم رکھے ہوئے تھے۔ مگر جس دن علینہ کو طبیب خانے سے چھٹی ہوتی، وہ حریم کا ہاتھ بٹانے اس کے قہوہ خانے آ جاتی۔

اس نے ٹرے میں سے پیالی اٹھا کے میز پہ رکھی تو وہاں بیٹھے لڑکوں میں سے ایک نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"تم تو وہی ہو نا جو گلاب میں کام کرتی تھی؟" لڑکے نے اپنے ہاتھ کی مضبوط گرفت اس کی کلائی پہ جمائے پُر سوچ نگاہوں سے علینہ کو دیکھا۔

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ نہیں ہوں۔" علینہ نے اپنی کلائی اس کے شکنجے سے آزاد کروانی چاہی مگر وہ ناکام رہی۔

"جھوٹ مت بولو۔ مجھے اچھے سے یاد ہے تم وہی ہو۔" وہ اٹل انداز میں بولا۔

علینہ کو موسمِ سرما کی سرد سہ پہر میں بھی ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ اس نے ہڑبڑا کے متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا۔ حریم تو اسے کہیں نظر نہیں آئی مگر وائل دکھائی دے گیا۔ سب سے الگ تھلگ ہو کے کھڑکی کے ساتھ رکھے میز کے گرد بیٹھا، دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہ بھی علینہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"دیکھیں میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں۔ میرا ہاتھ چھوڑیں۔" علینہ نے ایک مرتبہ پھر اپنا ہاتھ چھڑوانے کی ناکام کوشش کی۔ اس کا حلق سوکھنے لگا تھا۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

"بہرے ہو؟ سنائی نہیں دیا کیا کہا اس نے۔ ہاتھ چھوڑو اس کا۔" اچانک حریم اس کے پیچھے سے آئی اور ایک جھٹکے سے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کے علینہ کی کلائی اس کی گرفت سے آزاد کروائی۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ قلب کے قہوہ خانوں میں اب طوائفیں بھی کام کرتی ہیں۔" لڑکے کا انداز تمسخرانہ حقارت لیے ہوئے تھا۔

علینہ نے ہاتھ کی پشت سے پیشانی پہ آیا پسینہ پونچھا۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔ لوگوں کی سوالیہ نظریں خود پہ مرکوز دیکھ کر اسے شدید گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔

"اپنی بکواس بند کرو۔ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" شہادت کی انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے حریم غصے میں بولی۔ سارے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"تمہیں ذرا سا بھی اندازہ ہے کہ تم اس لہجے میں کس سے بات کر رہی ہو؟" وہ کرسی سے اٹھ کر اونچی آواز میں غرایا تھا۔ اس کے دوست بھی ساتھ ہی اٹھے۔

"ایک امیر باپ کی بگڑی ہوئی اولاد سے۔" حریم اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نڈر انداز بولی۔ "اس سے پہلے میں دھکے مار کے تمہیں اور تمہارے ان آوارہ دوستوں کو اپنے غزال سے باہر نکالوں۔ عزت سے خود ہی چلے جاؤ۔"

حریم کے اس انداز پہ اس لڑکے کے تاثرات مزید سخت ہوئے۔ "میں قلبلار کی اعلیٰ عدالت کے قاضی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔"

"میری طرف سے قاضی کے ہاں پیدا ہو کر جو کارنامہ تم نے سرانجام دیا ہے اس کی مبارکباد قبول کرو۔" حریم نے دل پہ ہاتھ رکھ کے سر کو خم دیا۔

گاہکوں کے قہقہے بلند ہوئے۔ سب لوگ اب ان کے میزوں پہ پڑے لوازمات کی بجائے مکمل طور پہ مفت میں نظر آنے والے ناٹک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"قانون ساز کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے میں تمہیں ابھی، اسی وقت زندان میں ڈلوا سکتا ہوں۔"

www.novelsclubb.com

"رشوت کے پیسے کی پیداوار کھوکھلی دھمکیاں دینے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی ہے۔" حریم نے طنز کیا۔

لوگوں کے بابلند قہقہے ایک مرتبہ پھر فضا میں گونجے تھے۔ علینہ نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ باقی لوگوں کے برعکس وائل کا چہرہ بے تاثر تھا۔ مگر وہ پورے وثوق کے

ساتھ کہہ سکتی تھی کہ وہ بھی اس تماشے سے کافی محفوظ ہو رہا تھا۔

خود پر ہنسنے والے لوگوں کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ کر وہ لڑکا حریم کو تھپڑ مارنے کے لیے اس پہ جھپٹا۔ مگر اس نے ایک لمحے میں میز پہ پڑی گرم چائے کی پیالی اس کے چہرے پہ اچھالی۔ بے ساختہ ایک چیخ اس کے منہ سے باہر نکلی تھی۔ حریم کی اس حرکت پہ اس کے دوستوں کے منہ کھل گئے۔ انہوں نے آپس میں نظروں کا تبادلہ کیا۔

"آئندہ مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش بھی کی نا تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔" انگشت شہادت اٹھا کے تنبیہ کرتی وہ چبا چبا کے بولی تھی۔

لڑکے نے ہاتھ گال پہ رکھے متنفر نظروں سے حریم کو گھورا۔ پھر اپنی جیکٹ کی اندرون جیب میں سے ایک خنجر نکالا۔ حریم اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ نہ ہی اس نے پلکیں جھپکیں۔ بس آنکھوں میں بے پناہ ناگواری لیے سامنے کھڑے لڑکے کو گھورتی رہی۔ جس نے پوری قوت سے حریم پہ وار کیا۔ مگر اگلے ہی لمحے کسی نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ روک لیا۔ وہ وائل تھا۔ علینہ کو معلوم ہی نہیں ہوا وہ کب اپنی جگہ سے

اٹھ کر ان کے قریب آیا تھا۔

وائل نے ایک جھٹکے میں اس لڑکے کی کلائی موڑ کے وہی خنجر اس کی گردن پہ رکھ دیا۔

"اپنے ساتھیوں سے کہو ان کے پاس جتنے بھی ہتھیار ہیں نیچے پھینک دیں ورنہ...."

"یہ جو کہہ رہا ہے وہ کرو۔"اس لڑکے نے وائل کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی گڑبڑاہٹ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔انہوں نے اس کی تکمیل کرتے ہوئے اپنے جیبوں سے ہتھیار نکال کے نیچے زمین پہ رکھ دیئے۔ حریم نے ایک ایک کر کے سارے ہتھیار اٹھا لیے۔اتنے میں حرم بھی داخلی دروازے سے اندر آتا دکھائی دیا تھا۔اس نے استفہامیہ نگاہوں سے علینہ کو دیکھا۔علینہ نے محض ایک افسوس بھری سانس باہر خارج کی۔بولی کچھ نہیں۔

"علینہ سے معافی مانگو۔"اس کی آواز میں بے پناہ تحکم تھا۔

"میں اور اس طوا...."

"جو کہا گیا ہے وہ کرو۔" وائل نے خنجر اس کی گردن پہ دبایا جہاں سے ایک باریک سی سرخ دھار ابھری تھی۔

"مجھے معاف کر دو۔" وہ علینہ کی طرف دیکھ کے بے بسی سے بولا تھا۔

"قلب قانون سازوں کا نہیں قانون شکنوں کا علاقہ ہے۔ اگر صحیح سلامت اپنے پاؤں پہ واپس جانا چاہتے ہو تو اپنی ٹولی سمیت نکل جاؤ یہاں سے۔" خنجر اس کی گردن سے ہٹاتے ہوئے وائل نے اسے برخاست کیا۔

اس نے رُخ دوسری جانب موڑا۔ اتنے میں لڑکے نے میز پہ پڑی ایک چینی کی پلیٹ اٹھا کے وائل کے سر پہ دے ماری۔ وہ یکدم اپنی جگہ تھم گیا۔

"چلو جی۔ ہو گیا بیڑا غرق۔" حریم نے افسوس سے آہ بھری۔

"اصلی تماشا تو اب لگے گا۔" مخالف سمت میں کھڑا احرم بھی زیرِ لب بڑبڑایا تھا۔

وائل نے ہاتھ سر کی پشت پہ پھیرا۔ پھر سامنے کر کے دیکھا۔ لمبی انگلیوں کی پوروں پہ خون کی بوندھیں تھیں۔ اس کی کنپٹیوں کی رگیں نمایاں ہوئیں۔ مٹھیاں بھینچیں۔ آنکھوں میں شعلے جل اٹھے۔ اور اگلے ہی لمحے وہ پیچھے کھڑے اپنے حملہ

آور پہ جارحانہ انداز میں جھپٹتے ہوئے غرایا تھا۔ "تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھ پہ ہاتھ اٹھانے کی؟"

وائل نے اتنا زور دار مکا اس کے منہ پہ جھڑا کہ اس کے سامنے والے دونوں دانت ٹوٹ کے زمین پہ جا گرے۔ لڑکے کے دوستوں میں سے ایک نے پیچھے سے وائل کی گردن کو اپنے بازو میں جھکڑا تھا۔ اس نے میز پہ رکھی پلیٹ اٹھا کے اس کے سر پہ دے ماری۔ پلیٹ کرچیاں بن کے زمین پہ جا گری۔ وہ لڑکا بھی درد سے چلاتے ہوئے اپنا پھٹا ہوا سر پکڑے زمین پہ کھسک گیا۔

باہر بیٹھے لوگ بھی آہستہ آہستہ اندرونی ہال میں جمع ہونے لگے۔

قاضی کے بیٹے کے دوسرے دوست نے لکڑی کی کرسی اٹھا کے وائل پر حملہ کیا۔ اس نے دونوں بازو صلیب کی صورت چہرے کے آگے کر لیے۔ پھر کرسی اس کے ہاتھوں سے لے کر پرے پھینکی۔ اور اس لڑکے کی گردن دبوچتے ہوئے سرگوشی کی سی آواز میں بولا۔

"ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا مجھ پر۔" اس کے سر کے پیچھے سے خون کی بوندھیں

ہنوز ٹپک رہی تھیں۔

اس نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی اور اسے ٹانگ مار کے دوسرے دوست کے ساتھ زمین پہ گرایا۔اس سے پہلے تیسرا دوست کچھ کر پاتا وائل نے ساتھ والے میز پہ پڑی گرم چائے کی پیالیوں سے سجی ٹرے اٹھا کے اس پہ انڈھیل دی۔ لکڑی کی ٹرے پوری قوت سے اس کے چہرے پہ ماری تو اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر وہ تیش اور غصے سے نڈھال، واپس قاضی کے بیٹے کی طرف مڑا اور ایک مرتبہ پھر اسے پیٹنا شروع کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

www.novelsclubb.com

سورج افق پہ اترنے لگا تو امیرہ گیٹ کھول کے گھر سے باہر نکل آئی۔ کل کی ملاقات کے بعد اسے معلوم ہوا تھا کہ حریم کو میٹھا بہت پسند ہے۔ آج گھر پہ گاجر کا حلوہ بنا تھا۔اس لیے اس نے سوچا حریم کو بھی دے آئے۔

کل ان دونوں نے خوب وقت ساتھ گزارا تھا۔ وہ زبردستی اسے قلبلار کی بہت

ساری جگہوں پر لے کر گئی تھی جو اس نے پہلے نہیں دیکھ رکھی تھیں۔ نجانے کیوں مگر اسے حریم اچھی لگی تھی۔ ایک عجیب سا اپنائیت کا احساس ہوتا تھا اس کی موجودگی میں۔

گو کہ آج موسم صاف تھا۔ مگر پرسوں رات ہونے والی برفباری کے نشان ابھی تک موجود تھے۔ ایک ہفتے تک برف کے پگلنے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔

چلتے چلتے تنگ گلیاں کھلی ہونے لگیں۔ اندرون شہر کے مقابلے قلب کی گلیاں وسیع تھیں۔ حریم کا قہوہ خانہ بہار چوک میں تھا۔ وہ وہاں پہنچی تو باہر کے میز خالی تھے۔ اسے اچنبھا ہوا۔ عموماً قلب کے قہوہ خانے اندر باہر، لوگوں کے ہجوم سے بھرے ہوتے تھے۔ اور آج وہاں کوئی بشر موجود نہ تھا۔ وہ محتاط قدم اٹھاتی اندر آئی تو ماحول میں سنسنی خیز سا تناؤ محسوس ہوا۔ کچھ لوگ میزوں پہ چڑھے تھے۔ تو کچھ ایک طرف ہو کے کھڑے تھے۔ مگر سب کی نظریں ایک ہی جانب اٹھی تھیں۔

شعلے چھوڑتے آتشدان کے قریب سیاہ لباس والا ایک لڑکا دوسرے لڑکے کو

گریبان سے پکڑ کر بری طرح مار رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے پہ مکّوں کی بارش کر رہا تھا۔ اور کوئی اسے ایسا کرنے سے روک نہیں رہا تھا۔ سب لوگ تماشائی بنے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تین لڑکے زمین پہ بیٹھے تھے۔ ایک سر پھٹا تھا۔ دوسرا اپنا گلا پکڑ کے گہرے سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور تیسرے کے بازوؤں اور چہرے پہ جلنے کے نشان تھے۔

حملہ آور لڑکے کے سر کے پیچھے سے خون کے موٹے قطرے ہنوز فرش پہ گر رہے تھے۔ اور اس کا ہاتھ بھی دوسرے لڑکے کے خون سے رنگا تھا۔ جس کا چہرہ بری طرح بگڑا ہوا، خون سے لت پت تھا۔

وہ ظالم مسلسل اسے جارحانہ انداز میں پیٹ رہا تھا۔

"حرم وہ اسے کیوں مار رہا ہے۔ اسے روکو؟" وہ حرم کے قریب آئی اور فکر مندی سے بولی۔

"تاکہ وہ اسے چھوڑ کے مجھے پیٹنا شروع کر دے۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

امیرہ بس تاسف سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

اس نے حلوے کا برتن میز پہ رکھا اور ان دونوں کے قریب گئی۔ یہاں سے اسے صرف مار کھانے والے لڑکے کا لہولہان ہوا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ سیاہ کپڑوں والے لڑکے کی اس کی طرف پشت تھی۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"تم اسے یوں جانوروں کی طرح کیوں مار رہے ہو؟"

جواب ندارد۔ وہ امیرہ کو نظرانداز کر کے اسے اسی وحشیانہ انداز میں مارتا رہا۔

امیرہ نے اس کا بازو پکڑ کے اسے روکنے کی کوشش کی جس میں وہ بری طرح ناکام ہوئی تھی۔ ایک جھٹکے میں اس نے امیرہ کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اپنا بازو چھڑوایا۔ وہ پیچھے کو گری۔ اس کا دل زور سے کانپا تھا۔

"وائل پیچھے آگ ہے۔" حریم دوسری طرف سے چلائی تھی۔

لمحے کی بھی دیر کیے بغیر اس نے پلٹ کے فوراً امیرہ کی کلائی پکڑ لی۔ امیرہ نے خود بھی اس کی کلائی پہ اپنے ہاتھ کی مضبوط گرفت جمالی۔ یوں جیسے صرف وہی اسے آگ کی نذر ہونے سے بچانے کا واحد ذریعہ تھا۔ امیرہ کی نظریں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں مقید اپنی اور اس کی کلائی سے سفر کرتے ہوئے اوپر اٹھیں۔

اور تب اسے اس کا چہرہ دکھا۔

اس نے وائل بن آدم کو جیسا تصور کیا تھا وہ بالکل ویسا ہی تھا۔ وہ واقعی اس مضبوط شخصیت کا حامل تھا جس کا ذکر اس نے پچھلے ایک ماہ میں سنا تھا۔ اس کی آنکھیں سرمئی رنگ کی تھیں۔ جن میں بغور دیکھنے پر چمکدار سفید لکیریں نمایاں ہوتی تھیں۔ یوں جیسے بادل آلود آسمان پہ بجلی چمک رہی ہو۔ دونوں کنپٹیوں پہ پردے کی صورت گرتے بال، بنا چاند کے اندھیری رات سے بھی زیادہ گہرے سیاہ تھے۔ بے عیب رنگت، تیکھے نقوش، لمبی ناک، اور لمبی، گھنی سیاہ پلکیں، اس کی پراسرار شخصیت میں مزید اضافہ کرتی تھیں۔

اس لڑکے کو مارنے کی وجہ سے اس کا تنفس انتہائی بھاری ہو چکا تھا۔ پیشانی پہ شکنیں پڑی تھیں۔ چہرہ پسینے سے تر تھا۔ آنکھوں میں ڈھیر سارا غصہ اور اشتعال جھلک رہا تھا۔ اس کا دوسرا ہاتھ ابھی تک لڑکے کے گریبان پہ تھا۔ جو آنکھیں چندھا کے سامنے کا منظر دیکھنے کی سعی کر رہا تھا۔

گہرے سانس لیتے وائل کی نظر اس کے پیچھے شعلے چھوڑتی آگ تک گئی۔ اور

تب امیرہ کی کلائی پر اس کی گرفت مانند پڑی۔ کیا ایسا امیرہ نے صرف محسوس کیا یا وائل کے ہاتھ میں واقعی لرزش ہوئی تھی؟

امیرہ کو اپنی پشت پہ آگ کی تپش محسوس ہوئی۔ اور اگلے ہی لمحے وائل بن آدم نے اسے انتہائی جارحانہ انداز میں اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ سیدھی حریم کے اوپر جا کے گری مگر اس نے بازو پھیلا کے اسے تھام لیا۔

"امیرہ تم ٹھیک ہو؟" اس نے امیرہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے بے حد نرمی سے پوچھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تمہارے دوپٹے پہ تو آگ لگی ہے۔" حریم کے ساتھ کھڑی لڑکی نے فوراً آگے بڑھ کے اپنے ہاتھ سے اس کے پلو پہ لگی آگ بجھائی۔ اس کوشش میں یقیناً اس کا ہاتھ جل گیا تھا۔ امیرہ نے نظریں اٹھا کے غور سے اسے دیکھا۔ وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اور پہلی نظر میں دیکھنے پر ہی وہ اسے پہچان گئی تھی۔ غالباً اس کا نام علینہ تھا۔ امیرہ کا اس سے رسماً تعارف کبھی نہیں ہوا مگر وہ دونوں ایک ہی جامع

درس گاہ میں پڑھتی رہی تھیں۔امیرہ نے متحیر نظروں سے اسے دیکھا۔اس کی اطلاعات کے مطابق تو وہ لڑکی مر چکی تھی۔پھر وہ یہاں کیسے؟

وائل ایک مرتبہ پھر اس لڑکے کو مارنا شروع کر چکا تھا۔

امیرہ دوبارہ آگے بڑھنے لگی تو حریم نے کلائی پکڑ کے اسے روک دیا۔"رہنے دو امیرہ۔وہ اسی کا مستحق ہے۔"

وائل بن آدم نے لڑکے کو زمین پہ دھکا دیتے ہوئے خود سے دور دھکیلا۔وہ منہ کے بل زمین پہ جا کے گرا۔اس کے دوست نیچے زمین پہ بیٹھے اور اسے سیدھا کر کے بٹھایا۔وہ سب وائل کو نفرت سے گھور رہے تھے۔

وائل گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا۔اور خنجر لڑکے کی گردن پہ رکھے اسے شعلہ باز آنکھوں سے دیکھا۔"آئندہ اس علاقے میں قدم رکھنے کی سوچنا بھی مت۔ورنہ تمہیں مرنے سے تمہارا قاضی باپ بھی بچا نہیں پائے گا۔" اس کی آواز سامنے آتشدان میں جلتی آگ سے بھی زیادہ تپش لیے ہوئی تھی۔

پھر وہ لڑکا اٹھا۔اور سر جھکائے اپنے دوستوں سمیت غزال سے باہر نکل گیا۔

"مگر وہ لڑکا کیا کہہ رہا تھا کہ یہ لڑکی 'گلاب' میں کام کرتی تھی۔" تماشائیوں میں سے ایک مرد نے علینہ کو حقارت سے بھرپور نظروں سے دیکھا۔

اس کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

"ہاں میں نے بھی یہی سنا تھا۔" ایک اور آواز بلند ہوئی۔

"اب ہم طوائفوں کے ہاتھوں سے پیش کی گئی چائے پیئیں گے؟" ایک عورت نے بھی بدمزہ ہو کے سر جھٹکا۔

حریم امیرہ کے پیچھے سے گھوم کر اس لڑکی کی طرف گئی۔

"علینہ ان کم ظرف لوگوں کی باتوں پہ دھیان مت دو۔" اس نے اس کا کندھا تھپکا۔

www.novelsclubb.com

زمین پہ بیٹھے وائل نے علینہ کو پُر امید نگاہوں سے دیکھا۔ یوں جیسے وہ اس کے کچھ کہنے کا منتظر تھا۔ علینہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی ابھری تھی۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

"دیکھو لڑکی اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا کاروبار چلتا رہے تو آئندہ اسے یہاں مت

آنے دینا۔"عورت نے اپنے تئیں چالاک بنتے ہوئے حریم کو نصیحت کی۔

علینہ وہاں سے جانے لگی تو حریم نے اس کا بازو پکڑ لیا۔"علینہ میری دوست ہے۔وہ یہاں آئے گی۔اور وہ یہاں ہر روز آئے گی۔جسے اس کی یہاں موجودگی سے تکلیف ہے،وہ میری بلا سے بے شک دفع ہو جائے۔"ہاتھ اٹھا کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔وہ بہت غصے میں لگ رہی تھی۔

لوگ علینہ کو حقیر نظروں سے گھورتے ہوئے نکل گئے۔تھوڑی ہی دیر میں غزال خالی ہو گیا۔ان پانچوں کے علاوہ وہاں کوئی دوسرا فرد موجود نہ رہا۔

وائل علینہ پہ نظریں جمائے مایوسی سے سر ہلاتا زمین سے اٹھا اور باورچی خانے کی طرف غائب ہو گیا۔

www.novelsclubb.com

علینہ بھی اسی طرف گئی اور تھوڑی دیر بعد اپنا تھیلا کندھے پہ پہنے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔حریم نے اسے روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکی۔

"علینہ...."

"اس کے بارے میں ایک لفظ مت کہنا۔"حریم نے شہادت کی انگلی اٹھا کہ

غصیلی آواز میں تنبیہ کی۔

امیرہ نے متحیر نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ریم یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم امیرہ سے؟ اپنا غصہ اس پر کیوں نکال رہی ہو؟" حرم نے آنکھیں دکھا کے اسے ٹوکا۔

"کیونکہ باقی صوم وصلات کے پابند لوگوں کی طرح اسے بھی یقیناً دوسرے لوگوں کے حالات جانے بغیر ان کے کردار کے بارے میں اندازے لگانے کا بہت شوق ہوگا۔ اور میں نہیں چاہتی کہ یہ علینہ کے بارے میں کچھ بھی کہے۔" امیرہ اس کے لہجے کی کڑواہٹ سن کے کنگ رہ گئی۔

"ریم بس بہت ہو گیا۔ ان لوگوں کو غصہ تم امیرہ پہ نہیں نکال سکتیں۔" حرم کی آواز اس مرتبہ قدرے اونچی تھی۔ حریم پیر پٹختی باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ حرم نے اسے کینہ توز نظروں سے جاتے ہوئے دیکھا۔

"اس کی طرف سے میں تم سے معذرت کرتا ہوں۔" وہ امیرہ کی طرف دیکھ کے عاجزی انداز میں بولا۔ "حریم ایسی ہی ہے۔ کسی اور کا غصہ کسی اور پر نکال دیتی

ہے۔اس کے اس رویے کے لیے میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

"مجھے برا نہیں لگا۔ وہ غصے میں تھی۔اور میں کسی کی غصے میں کہی گئی باتوں کو سنجیدگی سے نہیں لیتی۔"

حرم مسکرایا۔"آؤ بیٹھو۔"اس نے امیرہ کے لیے کرسی کھینچی۔

"ہم مجرموں کی یاد کیسے آگئی؟"سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے مسکرا کے پوچھا۔اس کے گال کے دونوں گڑھے نمایاں ہوئے۔

"میں یہ گاجر کا حلوہ دینے آئی تھی۔"اس نے برتن حرم کی طرف کھسکایا۔

"یقیناً حریم کے لیے۔ہے نا؟"

امیرہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

اس نے جواباً تاسف سے گہرا سانس لیا۔"اسے تم سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

"میں نے کہا نا مجھے اس کی باتوں کا برا نہیں لگا۔"امیرہ نے تسلی آمیز انداز میں کہا تو حرم تھوڑا مطمئن ہوا۔

"وائل ان لڑکوں کو کیوں مار رہا تھا؟" اس نے تھوڑی دیر بعد قدرے جھجک کے پوچھا۔

"ان میں سے ایک نے اس کے سر پہ پلیٹ ماری تھی۔"

(اور بدلے میں اس نے ان چاروں کا اتنا برا حال کر دیا!) امیرہ نے سوچتے ہوئے سر جھٹکا۔

"وہ زبان سے بھی یہ مسئلہ سلجھا سکتا تھا۔ اس طرح وحشیانہ انداز اپنانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اسے لوگوں کا حشر نشر کرنے کے لیے بس ایک موقع چاہیے ہوتا ہے۔ اور وہ اسے مل گیا۔" حرم نے کندھے اچکائے۔ "ویسے کیا ہی دبنگ انداز میں سیٹھ نے ان سب کے چہروں کے نقوش بگاڑے نا۔ مجھے تو مزا ہی آ گیا۔" حرم وائل بن آدم کے اس کارنامے پہ داد دینے والے انداز میں بولا تو وہ کھلے منہ سے اسے بس دیکھ کے رہ گئی۔

"تمہیں اسے روکنا چاہیے تھا۔" اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ "پتہ ہے ہمارا

مذہب کچھ غلط ہوتا ہوا دیکھنے پر ہمیں اسے ہاتھ سے روکنے کی تلقین کرتا ہے۔اور اگر ہم ایسا کرنے سے قاصر ہیں تو پھر زبان سے تو اپنے سامنے ہونے والی برائی کو روکنا ہی چاہیے۔اور تم بجائے اسے روکنے کے اس کے اس کارنامے سے متاثر ہو رہے ہو۔"

"میں تو بس...."وہ امیرہ کے پیچھے دیکھ کر اپنی بات کہتے کہتے رک گیا۔"کہاں جا رہے ہو سیٹھ؟"

امیرہ نے گردن ذرا سی ترچھی کی مگر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

"تمہارے برعکس مجھے مفت میں درس لینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔تم اپنی تعلیم جاری رکھو۔میں گھر جا رہا ہوں۔"یہ تنقیدی آواز عین اس کے پیچھے سے آئی تھی۔ اور کسی کی تھی یہ بھی وہ بخوبی جانتی تھی۔

(بداخلاق۔)امیرہ نے آنکھیں گمائیں۔

وہ چلا گیا تو اس نے گردن مزید ترچھی کر کے اسے عقب سے دیکھا۔اس کے سر کے پیچھے سفید پٹی بندھی تھی۔

"اس کی طرف سے بھی میں معذرت خواہ ہوں۔" حرم نے ہاتھ سینے پہ رکھ کے سر کو خم دیا۔

امیرہ کو ہنسی آگئی۔ "تم نے کیا سب کی ترجمانی کا کام اپنے ذمے لے رکھا ہے؟"

"کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" وہ نڈھال سے انداز میں بولا۔

"اتنا کم عمر خادم؟" امیرہ نے ساتھ والے میز سے برتن سمیٹتے ہوئے بچے کی طرف چونک کر دیکھا۔ وہ بچہ محنت اور لگن سے اپنا کام کرتا رہا۔

"دراصل یہ ایک مکاتب غلام ہے۔ اس کے پاس ایک مخصوص رقم کے عوض اپنی آزادی خریدنے کا اختیار ہے۔ مگر کم عمری کی وجہ سے کوئی اسے ملازمت پہ رکھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس لیے حریم نے غزال میں ملازمت دے دی۔" حرم فخر سے بتا رہا تھا۔ "اس کا بس چلے تو وہ قلبلار کے سارے غلاموں کو آزاد کر دے۔ وہ زبان کی تھوڑی کڑوی ہے۔ مگر دل سے بہت مہربان ہے۔" اس نے رک کر دائیں جانب دیکھا۔ امیرہ نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ حریم جھکے سر کے ساتھ ایک ٹرے ہاتھ میں اٹھائے ان کی طرف آرہی تھی۔

"حریم خانم چائے لے کر آ رہی ہیں۔" وہ ذرا آگے جھک کے سرگوشی میں بولا تھا۔ "یہ اس کا طریقہ ہے تم سے معذرت کرنے کا مگر تم اسے تھوڑا تنگ ضرور کرنا۔" وہ امیرہ کو بڑی سنجیدگی سے تلقین کر رہا تھا۔ حریم قریب آ گئی تو وہ خاموش ہو گیا۔

اس نے ٹرے میز پہ رکھی۔ پھر امیرہ کی ساتھ والی کرسی کھینچ کر اس پہ بیٹھی۔ ایک پیالی اٹھا کر امیرہ کے سامنے رکھی۔ اس میں سے گرما گرم دھواں نکل رہا تھا۔

"میں تم سے شرمندہ ہوں امیرہ۔ مجھے تم سے اس لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ہماری نئی نئی ہوئی دوستی کی خاطر ہی مجھے معاف کر دو۔" اس کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔

www.novelsclubb.com

"کون سی دوستی حریم؟"

اس نے یکدم سر اٹھا کے امیرہ کو دیکھا۔ اور اس کی آنکھوں میں نظر آنے والا تاثر امیرہ کے دل کو کاٹ گیا۔ وہ تاثر بتاتا تھا کہ وہ یہ دوستی کسی قیمت کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"میں مزاق کر رہی تھی۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ مجھے تو تمہاری باتوں کو برا تک نہیں لگا۔" اس نے فوراً اسے تسلی دلائی۔

"کیا یار امیرہ۔ سارا مزا کر کرا کر دیا تم نے۔" حرم نے دونوں ہاتھ پھیلا کے شکایت کی۔

"مطلب تم مجھ سے.... ناراض نہیں ہو؟" وہ حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ریم۔ تم سے ناراض نہیں ہو سکتی میں۔" امیرہ نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "یہ تو حرم نے تمہیں تنگ کرنے کے لیے کہا تھا۔ ورنہ میرا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حرم نے ایسے ظاہر کیا جیسے اس نے ایسا نہیں کہا تھا۔

حریم کا چہرہ غصے سے ٹمٹمایا۔ "پھول والے فساد پھیلانا بند کرو۔ اور جا کر پھول بیچو۔ جو تمہارا کام ہے۔" موٹی، بھوری آنکھوں سے گھورتے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"اور تم چائے والی.... میرا مشورہ مانو چائے کی جگہ اپنا غصہ پی لو۔ پھر دو چار دن

تک کچھ اور پینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" حرم جواباً طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تم جاتے ہو یا میں...."

"جارہا ہوں، جارہا ہوں۔" اس کے دھمکی آمیز انداز پہ حرم فوراً ہی کرسی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

حریم نے اسے ملامتی نظروں سے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر اپنا رُخ امیرہ کی جانب موڑا۔ "تم مجھ سے ناراض کیوں نہیں ہو سکتیں امیرہ؟" اس کا لہجہ عجیب سا تجسس لیے ہوئے تھا۔

"یہ مجھے بھی نہیں پتہ۔ بس اتنا معلوم ہے کہ میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتی۔"

حریم کھل کھلا کے ہنسی۔ "یہ کیا بات ہوئی بھلا؟"

امیرہ نے کندھے اچکا کے خود بھی نا سمجھی کا مظاہرہ کیا۔

"تمہیں تو ہم سب بہت گناہگار لگتے ہوں گے نا امیرہ؟" تھوڑی دیر بعد دوسری پیالی اٹھا کے منہ سے لگاتے ہوئے وہ جیسے ملال سے بولی تھی۔

امیرہ نے تاسف بھری سانس لی۔ "میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا حریم۔"

"کہا نہیں مگر تم دل میں یہی سوچ رہی ہو گی۔ سب مذہبی لوگ یہی تو سمجھتے ہیں۔انہیں اپنے سامنے ساری دنیا گناہگار لگتی ہے۔" وہ طنز نہیں کر رہی تھی۔عام سے انداز میں اپنا مؤقف سامنے رکھ رہی تھی۔ یقیناً اس کے مذہبی لوگوں کے ساتھ اچھے تجربات نہیں رہے ہوں گے۔اسے لیے وہ ایسا سوچ رہی تھی۔

"باقی لوگ تمہیں کیسا سمجھتے ہیں یہ میں نہیں جانتی۔ لیکن میں تمہیں برا نہیں سمجھتی۔ جو لڑکی غلاموں کو خرید کے آزاد کر دے وہ بری ہو ہی نہیں سکتی۔" امیرہ نے خلوص بھرے سادہ سے لہجے میں کہا۔ حریم مبہم سا مسکرائی۔

"یہ کیا ہے؟" سامنے پڑے برتن پر نظر پڑی تو سوالیہ نظروں سے امیرہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

www.novelsclubb.com

"گاجر کا حلوہ۔" اس نے برتن اٹھا کے ڈھکن کھولا۔"تمہارے لیے لائی تھی۔"

"ہائے امیرہ، مجھے لگتا ہے یہ کھا کے میری شرمندگی کم ہو جائے گی۔" اس نے ٹرے میں پڑی چمچ اٹھانے کے بعد کٹورا امیرہ کے ہاتھوں سے لے لیا۔

اس کا انداز دیکھ کے امیرہ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

وہ اب امیرہ کو اپنی زندگی کے متعلق کچھ بتا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ حلوے کے چھوٹے چھوٹے چمچ بھی لے رہی تھی۔ نجانے کیوں مگر حریم اسے بہت اپنی اپنی سی لگتی تھی۔ شاید عالم ارواح (روحوں کی دنیا) میں وہ دونوں ایک دوسرے سے بے حد قریب تھیں۔ شاید!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(موجودہ دن)

نہران۔

نہران دارالحکومت کے بیرونی مضافات میں موجود حدائق نامی گاؤں پہ سیاہ چادر چھائی تو آسمان چمکتے ستاروں سے مزین ہو گیا۔ رات کافی ساعتیں آگے بڑھ چکی تھی جس کے باعث گھروں کے چراغ بجھے ہوئے تھے۔ البتہ چاند کی نرم روشنی نے پتھریلی گلیوں کو نیم منور کر رکھا تھا۔ گاؤں کی فضا میں مختلف اقسام کے پھولوں کی خوشبو رچی بسی تھی۔

حدائق باغات کا گاؤں تھا۔ گو کہ خزاں کا موسم چل رہا تھا، پھر بھی وہاں کی فضا

خوشبوؤں سے معطر تھی۔

فیض گلی کی ایک طرف چلتا، وہاں موجود کونے میں بنے آخری گھر کی طرف جا رہا تھا۔ رات کی خاموشی میں ہوا کے نیم خوشبودار جھونکے اس کے چہرے سے ٹکراتے تو لبوں پہ مسکراہٹ بکھر جاتی۔ یوں لگتا تھا جیسے پورا حدائق اسے خوش آمدید کہہ رہا ہو۔

قلبلار میں اسے اسی احساس کی تو کمی لگتی تھی۔ وائل بن آدم کی آزاد منزل صرف اینٹوں کا مکان تھی۔ گھر جیسا کچھ نہیں تھا وہاں۔ نہ کوئی احساس۔ نہ کوئی اپنائیت۔

فیض کا اصل اس کا حدائق تھا۔ کل بھی۔ اور آج بھی۔

وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جاتا، جو سکون اسے حدائق میں ملتا تھا اور کہیں نہیں مل سکتا تھا۔ اس کے لیے اس کا حدائق کسی جنت سے کم نہیں تھا۔ مگر ایک سال قبل اسے اس کے ناکردہ گناہوں کی پاداش میں جنت سے نکال دیا گیا تھا۔ اور آج ایک سال بعد وہ اپنے لوگوں کو اسے واپسی کی اجازت دے دینے کے لیے

قائل کرنے لوٹا تھا۔

چونکہ اس نے وائل سے اپنے خاندان سے محض ملاقات کرنے کے لیے کچھ دنوں کی چھٹی طلب کی تھی، وہ فیض کے وہاں مستقل طور پر رکنے کے ارادے سے بے خبر تھا۔ وہ جانتا تھا اگر وائل بن آدم کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ اپنے کرائے کے قاتل کو اسے جان سے مار دینے کا حکم دینے میں دیر نہیں لگائے گا۔ لیکن اسے یہ خطرہ مول لینا منظور تھا۔ گو کہ آنے سے پہلے وائل نے اسے دوبارہ تنبیہ کی تھی۔ مگر فیض کو اب اس کی پرواہ نہیں رہی تھی۔ اس نے بہت برداشت کر لیا تھا وائل بن آدم کا اثاثہ بن کر رہنا۔ مگر اب اور نہیں۔

ایک برس پہلے اس سے جذبات میں آ کر ایک غلطی ہوئی تھی جب وہ وائل سے پہلی مرتبہ ملا تھا۔ مگر اب اس غلطی کو سدھارنے کا وقت آ گیا تھا۔ وائل کو دھوکا دینے کے پیچھے اس کی نیت غلط نہیں تھی۔ اور جن کی نیت صاف ہو ان کا نگہبان اللہ ہوتا ہے۔

گذشتہ رات جب بازیگروں نے لافانی ققنوس چرانے کا کام بخوبی سرانجام دے

لیا تھا تو فیض حدائق کے لیے روانہ ہوا تھا۔اور ٹھیک چوبیس گھنٹے کے اندر وہ نہران اور قلبلار کے درمیان تقریباً دو سو میل کا سمندری فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنے مطلوبہ گھر کے گیٹ کے باہر کھڑا تھا۔اس نے ایک سکون بھرا لمبا سانس لیا اور پھر لوہے کے گیٹ پہ دستک دی، جسے کچھ دیر کے انتظار کے بعد دوسری طرف سے کھول دیا گیا۔

وہ بہت خوش اخلاقی سے آگے بڑھا اور دروازہ کھولنے والے اپنے بڑے بھائی سے گلے ملا۔اس کا تیس سالہ بھائی عدیل عمر میں اس سے پانچ برس بڑا تھا۔

نجانے کیوں مگر عدیل کے ملنے کے انداز سے فیض کو محسوس ہوا جیسے وہ اس کی واپسی سے خوش نہیں تھا۔کیا یہ اس کا وہم تھا؟

وہ دونوں پودوں سے آراستہ صحن پار کر کے مرکزی کمرے میں آئے جو بالکل خالی تھا۔فیض نے گردن ایک مرتبہ پورے کمرے میں دوڑائی۔اسے ایک عجیب سا بدلاؤ محسوس ہوا۔دو صوفے۔ایک لکڑی کا میز۔ایک لکڑی کا جھولنے والا تخت ۔تین چار بڑے سائز کے گلدان جن میں سجے پھول جلد ہی باسی ہونے والے

تھے۔

سب کچھ ویسا ہی تھا۔ پھر یہ عجیب سا احساس کیوں؟

"مائی، باپو کہاں ہیں؟" اس نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے جیسے استفسار کیا۔

عدیل نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں گیا اور ایک خاکی رنگ کا لفافہ ہاتھ میں لیے واپس لوٹا۔ فیض کے دل کو کسی نے ایک لمحے کے لیے مٹھی میں لیا تھا۔

"تمہاری غیر موجودگی میں یہاں بہت کچھ ہو گیا۔ مائی، باپو نہیں رہے۔" لفافہ فیض کی طرف بڑھاتے ہوئے عدیل کا اندازِ گفتگو عام سا تھا۔ فیض نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "تمہارے جانے کے بعد مائی اپنا دماغی توازن کھو بیٹھیں۔ وہ ہر وقت تمہیں یاد کرتی رہتی تھیں۔" وہ عام سے لہجے میں جیسے موسمی خبر سنا رہا تھا۔ مگر فیض کے دل پر کسی نے الٹی چھریاں چلانا شروع کر دیں۔ اس کا دل خون کے آنسوں رونے لگا۔ اس کا سر خود بخود جھک گیا۔

"تمہاری یاد میں میری پانچ وقت کی نمازی ماں کی نمازیں قضا ہونے لگیں۔ باپو

ان کے کی اس حالت کے ذمہ دار تمہیں ٹھہراتے تھے۔"عدیل نے تنقید سے انگشت شہادت فیض کی طرف اٹھائی۔"پھر ایک برس قبل تم جیسی شریر اولاد کو یاد کرتے کرتے مائی کا انتقال ہو گیا۔ باپو ان کی موت کا غم برداشت نہیں کر پائے اور وہ بھی چل بسے۔"عدیل کہتا گیا اور وہ سفید پڑتی رنگت کے ساتھ سنتا گیا۔

"مگر جانے سے پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ نا تو تمہیں ان کے جنازے پہ بلایا جائے اور نہ ہی ان کی اور مائی کی قبر پر جانے کی اجازت دی جائے۔ تم نے ہم سب کو برباد کر دیا فیض۔ تم نے مجھ سے میرے ماں باپ چھین لیے۔ میرے بچوں سے ان کے دادا، دادی چھین لیے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا فیض۔ مجھے تو تمہیں ابھی جان سے مار ڈالنا چاہیے۔ لیکن میں یہ سوچ کر تمہیں جانے دے رہا ہوں کیونکہ تم جیسے بھی ہو میرے ماں باپ کے بیٹے ہو۔"وہ کہہ رہا تھا اور فیض زخمی دل سے اسے سن رہا تھا۔ مگر عدیل کی اس بات پر اس نے نظریں اٹھا کر اپنے بھائی کو دیکھا۔ وہ اس کے بھائی سے اس کے ماں باپ کا بیٹا کب ہوا؟

"میں نہیں چاہتا تم دوبارہ مجھے اپنی شکل بھی دکھاؤ۔ ویسے بھی اب تم حدائق میں

واپس نہیں آ سکتے۔ تمہارے گاؤں چھوڑ کر بھاگ جانے کے بعد تمہیں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ کسی نے اگر تمہیں یہاں دیکھ لیا تو تمہاری جان لینے میں دیر نہیں لگائے گا۔اس لیے یہاں سے چلے جاؤ۔اور دوبارہ لوٹ کر کبھی مت آنا۔"عدیل تنفر سے کہہ کر اٹھ گیا۔اور فیض کمرے میں تنہا رہ گیا۔

اس نے سامنے والے گلدان سے جھلکتے سفید گلاب کے پھولوں کو دیکھا۔وہ باسی ہو چکے تھے۔

وہ صوفے سے اٹھا اور دبے قدموں دروازے کی جانب بڑھا۔قدم چوکھٹ سے باہر نکالنے سے پہلے اس نے ایک آخری مرتبہ مڑ کر کمرے کو سوگواریت سے دیکھا۔وہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔اور وہاں سب کچھ بدل گیا تھا۔جیسے کوئی پھول مرجھا گیا ہو۔کوئی دل ٹوٹ گیا ہو۔کوئی جان نکل گئی ہو۔

وہ باہر صحن میں آیا تو بغور دیکھنے پر اسے احساس ہوا،وہاں موجود پودوں کے پتے جھڑ چکے تھے۔ ٹہنیاں ٹوٹ چکی تھیں۔تنے سوکھ چکے تھے۔مائی کی غیر موجودگی میں شاید کوئی ان کی دیکھ بھال نہیں کرتا تھا۔

وہ بھاری قدموں کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

کسی خواب کی سی کیفیت میں پتھریلی زمین پہ چلتے چلتے وہ ایک باغ کے سامنے رک گیا۔ فیض کو یاد تھا اس کا نام گلستانِ خزاں تھا کیونکہ اس میں کھلنے والے سارے پھول خزاں کے پھول تھے۔ اس کا وجود خود بخود زمین پہ کھسکتا چلا گیا۔ وہ اب گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا۔ شبنمی قطروں کی مدھم خوشبو سے معطر ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی تو ہلکی سی نمی چھوڑ گئی۔ دل کے ٹوٹنے سے جنم لینے والی نمی اس کی آنکھوں میں بھی اُمڈ آئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر نم آنکھوں اور بھاری دل سے باغ کو دیکھا۔ رات کے اس پہر ہر طرف سناٹا چھایا تھا۔ اور بالکل ویسا ہی سناٹا فیض بن غفار کے اندر بھی چھا گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

وائل اوندھے منہ فرش پر گرا تھا۔ وہ چاروں تیزی سے اس کی طرف بھاگ کر آئے تھے۔ حرم نے جھک کر اس کے وجود کو سیدھا کیا۔ اس کی پیشانی پہ دائیں

طرف موجود زخم سے خون نکل رہا تھا۔وہ ادھ کھلی آنکھوں سے اپنے سامنے کا منظر سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔شاید وہ نیم بے ہوش تھا۔

"سیٹھ، تم ٹھیک ہو نا؟" حرم فکر مندی سے گویا ہوا۔

وائل اٹھ کر بیٹھا۔پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔"بس اچانک سے سر چکرا گیا تھا۔" ہاتھ سے پیشانی سے ٹپکتا خون صاف کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

حرم بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔

"ظاہر ہے جب پورے دن میں صرف تین گھنٹے سوؤ گے تو سر تو چکرائے گا ہی نا۔" حریم نے اسے جھڑکا۔

"وائل کے سر درد کی وجہ نیند کی کمی نہیں ہے۔" علینہ بڑبڑائی۔

حریم، سیف اور حرم کی استفہامیہ نظریں اس کی طرف مڑیں۔

وائل نے بھی گردن نفی میں ہلاتے ہوئے اسے تنبیہ نگاہوں سے گھورا۔

اس نے چند پل سوچا۔پھر گہری سانس لے کر جھوٹ بول دیا۔"کل شام یہ مجھ سے نیند کی گولیاں لینے آیا تھا اور میں نے غلطی سے اسے بخار کی دوا دے دی تھی۔

منفی اثرات کے باعث اب سر چکرا رہا ہو گا۔"

"مجھے لگا پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔" حریم نے سکھ کا سانس بھرا۔

علینہ میز پہ رکھے اپنے تھیلے کی طرف بڑھی اور اس میں سے ایک سفید رنگ کی رول شدہ پٹی نکالی۔ "یہاں بیٹھو میں تمہاری پٹی کر دیتی ہوں۔" اس نے وائل کو کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بہت مہربانی تمہاری میں خود کر لوں گا۔" وہ سخت آواز میں کہتا پٹی اس کے ہاتھ سے چھین کر فرش پر گری اپنی ہیٹ اٹھانے کے بعد سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"اسے شاید میری مدد کی ضرورت ہو۔" وہ بہانہ بنا کے، بھاگ کر اس کے پیچھے آئی۔ "وائل تم کب تک اس حقیقت سے منہ موڑتے رہو گے کہ تمہارے دماغ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔" اس نے اس کی تیز چال سے قدم ملاتے ہوئے پیچھے سے پکارا۔

وہ یکدم رکا۔ پھر ایڑیوں کے بل گھوم کر علینہ سے اکھڑ لہجے میں مخاطب ہوا۔

"ایک کام کرو مسجد میں جا کر اعلان کروا دو۔تا کہ سب کو معلوم ہو جائے۔"

"میں تم سے کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں طبیب خانے آ کے اپنا مکمل طبّی معائنہ کرواؤ۔"اب کی بار وہ بولی تو آواز دھیمی تھی۔"مگر تم کسی کی مان جاؤ تو وائل بن آدم کیسے کہلاؤ گے!"وہ طنز نہیں کر رہی تھی۔اپنائیت اور خلوص سے کہہ رہی تھی۔

وائل کا نچلا لب ایک استہزائیہ مسکراہٹ میں ڈھلا۔وہ دو قدم چل کر اس کے قریب آیا۔"ایسے ظاہر مت کرو جیسے میری صحت خرابی کی تمہیں کوئی فکر ہے علینہ۔میں پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں،میری موت کا جشن منانے والوں میں تم بھی شامل ہو گی۔اس لیے میرے سامنے یہ ناٹک نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔"

"سب تمہارے جیسے نہیں ہوتے وائل۔"علینہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"بے شک۔"وہ تلخی سے بڑبڑا کر آگے بڑھ گیا۔

"اگر تم نے اپنا طبعی معائنہ نہیں کروایا تو میں سب کو بتا دوں گی کہ تم کسی دماغی

مرض کا شکار ہو۔"علینہ نے لہجے کو پر سکون رکھتے ہوئے اسے پیچھے سے پکارا۔

وائل بن آدم کے تو سر پہ لگی۔ تلووں پہ بجھی۔

"کیا کہا تم نے؟"وہ ایڑیوں کے بل گھوما اور بگڑے تاثرات سے علینہ کو دیکھا۔

"وہی جو تم نے سنا۔"

"تم مجھے دھمکا رہی ہو؟"

وائل کے تاثرات بتاتے تھے جیسے وہ واقعی اس کی اس دیدہ دلیری پر حیران ہوا تھا۔

"میں صرف تمہیں آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہاری اس کمزوری کے بارے میں کسی کو معلوم ہو تو میری بات مان لو۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا تم مجھے دھمکا رہی ہو۔"وائل نے بے یقینی سے گردن نفی میں ہلائی۔

"میں نے کہا نا، میں صرف تمہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"علینہ نے اپنی منطق دہرائی۔

"علینہ اگر تم بھول گئی ہو تو تمہیں یاد دلادوں، تم میری ملازم ہو میں تمہارا نہیں۔" وہ قدرے برہمی سے بولا۔ "آج کے بعد مجھے دھمکانے یا حکم دینے کی کوشش ہر گز مت کرنا۔" انگشت شہادت اٹھا کے تنبیہ کی۔

"میں حکم نہیں دے رہی۔ درخواست کر رہی ہوں۔" فکر مندی اس کی آواز سے واضح جھلک رہی تھی۔

کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہوئے۔ وہ وائل کو پُر امید نظروں سے دیکھتی رہی۔

بلآخر اس نے ایک لمبا سانس لے کر کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے۔"

خوشی سے علینہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

"مگر ابھی نہیں۔"

www.novelsclubb.com

اگلے ہی لمحے اس کا منہ کھل گیا۔ (ابھی نہیں۔ مطلب کبھی نہیں۔)

"جب میں سمجھوں گا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں تو خود تم سے کہہ دوں گا۔ اب میرا دماغ مت کھانا۔" برہمی سے کہہ کے وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

"مکمل معائنہ تو میں تمہارا کروا کے رہوں گی وائل بن آدم۔" تیکھی نظریں

دروازے پہ جمائے اس نے دل ہی دل میں پختہ ارادہ کیا تھا۔

وہ نیچے تہہ خانے میں واپس آئی تو جبیل اب رسیوں میں بندھا تھا۔ سیف اس کی کرسی کے گرد چکر کاٹتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔اور حریم پوری توجہ سے سنتے حرم کو اپنی کسی کتاب کی کہانی سنا رہی تھی۔

علینہ نے اپنا تھیلا اٹھایا اور آزاد منزل جانے کا کہہ کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہران۔

حدائق گاؤں کی شمال جانب بنی سرکاری بندرگاہ پر بیسیوں کی تعداد میں بحری جہاز قطار میں سمندر کے کنارے لگے تھے۔انہیں میں سے روانہ ہوتے ایک جہاز کے عرشے (ڈیک) پر فیض گردن ترچھی کیے کھڑا تھا۔بحری جہاز اسے اس کے حدائق سے دور لے جا رہا تھا اور وہ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔اس کے پاس وہاں رکنے کی اب کوئی وجہ نہیں بچی تھی۔وائل کو دھوکا دینے کے سارے جواز دم توڑ گئے تھے۔

نیلے آسمان کے اوپر سورج مکمل طلوع ہو چکا تھا۔ جہاز پہ بندھے بادبان ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ فیض نے گردن گما کے اطراف کا جائزہ لیا۔ صبح کے اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ یقیناً سارے مسافر جہاز پہ سوار ہوتے ساتھ ہی نیچے بنے حجروں میں سونے چلے گئے تھے۔ وہ وہاں اکیلا تھا۔

وہ دونوں ہاتھ جنگلے پہ رکھ کر قدرے آگے جھکا۔ سطح سمندر پر صاف، شفاف نیلی لہریں تیز ہوا کی موجودگی میں رقص کر رہی تھیں۔ اس نے سانس باہر نکالنے کے لیے منہ کھولا تو منہ کا ذائقہ یکدم نمکین سا ہو گیا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں، دل کو دہلا دینے والا ایک خیال فیض بن غفار کے حواسوں پر قابض ہوا۔ ایسے ہی ایک خیال کی زد میں اس کا ذہن ایک برس قبل بھی آیا تھا جس کے بعد وہ وائل بن آدم سے پہلی مرتبہ ملا تھا۔

تال میل کھاتی نیلی لہروں پہ نظریں جمائے وقت فیض بن غفار کے لیے ایک برس پیچھے چلا گیا۔

سطح سمندر پر ایک دھندلا سا منظر ابھرنے لگا جو ہر گزرتے پل واضح ہوتا گیا۔

(ایک سال قبل)

قلبلار۔

فیض قلبلار کے مرکزی بازار میں ایک مقامی قہوہ خانے کے سامنے بنی کپڑوں کی دکان میں کسی گاہک کو مختلف اقسام کے کپڑے دکھا رہا تھا، جب اس کی نظر ایک مرتبہ پھر قہوہ خانے کے برآمدے میں بچھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھے لڑکے پہ پڑی۔ وہ سیاہ پینٹ کے اوپر لمبے کوٹ میں ملبوس تھا۔ سر پہ سیاہ رنگ کی ہیٹ ٹکائے وہ کافی دیر سے فیض کے سامنے کھڑے گاہک کو تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

(کیا وہ اس آدمی کا تعاقب کر رہا ہے؟ جو بھی ہے۔ مجھے کیا۔) اس نے خیال جھٹک دیا اور واپس گاہک کی طرف متوجہ ہوا۔

اچانک اس کی نظر اس آدمی کے ناخنوں پر پڑی تو وہ چونکا۔ بغور دیکھنے پر فیض کو محسوس ہوا ان میں ہلکی ہلکی نیلاہٹ نظر آتی تھی۔ اس نے ذہن پہ زور دے کر سوچا تو خطرے کی گھنٹی بجی۔ اسے شدت سے ایک الہام ہونے لگا۔ ایک بے نام سا احساس کہ وہ آدمی مرنے والا ہے۔ بلاشبہ اس آدمی کو زہر دیا جا رہا تھا۔ مگر اس کی

www.novelsclubb.com

موت کی وجہ زہر نہیں ہو گا۔وہ آدمی ابھی اسی وقت،اسی بازار میں مرنے والا تھا۔ مگر کیسے ؟

"آپ کی جان کو خطرہ ہے۔آپ ابھی اسی وقت یہاں سے چلے جایئے۔" فیض بوکھلایا۔

گاہک نے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا۔

"کیا بکواس ہے یہ ؟"وہ تیوڑی چڑھا کر بولا۔

"کوئی آپ کو جان سے مارنے والا ہے۔آپ یہاں سے چلے جائیں۔"فیض نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے ایک مرتبہ پھر اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔

آدمی کی ناک غصے سے پھڑ پھڑائی۔پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دکان سے باہر نکلا۔

"سنو سنو۔قلبلار کے لوگوں سنو۔"اس نے بابلند آواز اعلان کیا تو قہوہ خانے میں موجود لوگوں سمیت ارد گرد کے باقی لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔"ان صاحب کا کہنا ہے کہ میں مرنے والا ہوں۔"آدمی نے دکان کے اندر موجود فیض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی تالی بجائی۔پھر اونچا سا قہقہہ لگایا۔

فیض نے پسینے سے تر ہوتے ہاتھوں سے اپنی پیشانی چھوئی۔ یہ آدمی تو با قائدہ تماشا لگانے پہ اتر آیا تھا۔

لوگوں کا ہجوم دیکھ کر فیض کو قلبلار کے مکینوں کے بارے میں بولے جانے والے مشہور قول پر یقین آگیا کہ انہیں تماشا دیکھنے اور تماشائی بننے کا بہت واقعی شوق تھا۔

آدمی واپس دکان کے اندر آیا اور فیض کے سامنے کھڑا ہوا۔

"کیوں بھائی، کوئی الہام...."

پلک جھپکنے کی دیر سے بھی کم وقت میں ایک تیر اس آدمی کی گردن کو چیرتا ہوا دوسری طرف سے باہر نکلا تو خون کا ایک تیز فوارا اس کی گردن سے پھوٹا۔ جس سے نکلنے والے لال، موٹے چھینٹے فیض کے چہرے پر پڑے۔

اس کا اگلا سانس حلق میں ہی اٹک گیا۔ پیشانی پہ پسینے کی بوندیں جمع ہونے لگیں۔

آدمی لڑکھڑا کر نیچے گر گیا تو فیض کو سامنے کا منظر صاف دکھائی دیا۔ ہجوم میں ہر ایک چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔

ششدر۔ حیران۔ متحیر۔

سوائے ایک کے۔

ہیٹ والا لڑکا پُر سکون تاثرات سے زمین پہ پڑے خون سے لت پت وجود کو سرمئی آنکھیں چھوٹی کیے دیکھ رہا تھا۔ جیسے صورتحال کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے سر اوپر کر کے قہوہ خانے کی چھت کو بغور دیکھا۔

فیض کی نظریں بھی اوپر اٹھیں۔ مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

تیر اسی سمت سے آیا تھا۔ یقیناً وہ جو کوئی بھی تھا اپنا کام کر کے جا چکا تھا۔

(کیا ہیٹ والے لڑکے نے اس آدمی کا قتل کروایا ہے؟)

فیض کے پیچھے سے ایک عمر رسیدہ بزرگ آگے آئے اور زمین پر جھک کر آدمی کی نبض کا جائزہ لینے لگے۔ وہ دکان کے مالک تھے۔ پچھلے ایک مہینے سے ان کی دکان پہ کام کرتے ہوئے اس نے مشاہدہ کیا تھا کہ وہ کافی نیک اور رحم دل آدمی تھے۔

انہوں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا۔ "بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔"

"مگر اس لڑکے کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ آدمی مرنے والا ہے؟" اکٹھے ہوئے تماشائیوں میں سے ایک عورت نے مشکوک نظروں سے فیض کو گھورا۔

"مجھے تو لگتا ہے اس نے جادو کیا ہے۔" اس کے ساتھ والے مرد نے انتہائی سنگین الزام گڑھا۔

"میں نے کوئی جادو نہیں کیا۔" فیض نے فوراً اس بہتان کی نفی کی۔

اسے حدائق کو بھی اسی بے بنیاد الزام کی وجہ سے چھوڑنا پڑا تھا۔ اگر قلبلار سے بھی اسے نکال دیا گیا تو وہ کہاں جائے گا؟ مستقبل کے خوف سے اس کی رنگت سفید پڑنے لگی تھی۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس خطے میں جادوئی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی سزا پھانسی ہے؟" ایک اور آدمی نے اپنا حصہ ڈالا۔

"میں نے جادو نہیں کیا۔" وہ یکدم پھٹ پڑا تھا۔ "اسلام صاحب میں نے کوئی جادو نہیں کیا۔" اس نے چہرہ دکان کے مالک کی طرف موڑ کر بے تابی سے اپنی بات دہرائی۔ "یہ لوگ مجھ پر بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں۔"

"جھوٹ مت بولو۔ تم نے خود اس کی موت کی پیشگوئی کی تھی۔" پیچھے ہجوم میں سے ایک اور ملامتی آواز بلند ہوئی۔

ان برے لوگوں کے الزامات سن کر اس کا سر چکرانے لاگا تھا۔

"اسلام صاحب ہمیں آپ سے یہ امید نہیں تھی کہ آپ ایک گناہگار کو اپنی دکان میں ملازمت پہ رکھیں گے۔" عورت انہیں ملامت کرنے والے انداز میں بولی تھی۔

"میں تو کہتا ہوں ابھی سپاہیوں کو بلاؤ اور اسے گرفتار کرواؤ۔"

"ہاں ہاں گرفتار کرواؤ اس گناہگار کو۔" سب لوگوں نے اونچی آواز میں تائید کی۔

www.novelsclubb.com

" صحیح کہہ رہے ہیں آپ سب۔" اسلام صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھا کے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

فیض نے گھبرا کر شکوہ کن نظروں سے انہیں دیکھا۔

"آپ لوگ سپاہیوں کو بلوایئے۔ تب تک میں اس سے حساب کتاب مکمل کر

لوں۔" وہ اسے گریبان سے پکڑ کے تہہ خانے کی طرف جاتے دروازے کی طرف لے کر گئے۔

مگر دروازہ پار کرنے سے پہلے اس نے گردن بائیں طرف موڑ کے ایک آخری مرتبہ ہیٹ والے لڑکے کو دیکھا تھا۔ فیض کو اس کی سرمئی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دکھائی دی تھی۔ بلاشبہ وہ اس ساری صورتحال سے کافی لطف اندوز نظر آتا تھا۔

"یہ کچھ پیسے رکھو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔" تہہ خانے میں پہنچ کر اسلام صاحب نے سفید کرتے کی جیب میں سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

www.novelsclubb.com

فیض نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ایک مہینے سے میرے لیے کام کر رہے ہو۔ اتنا تو جان گیا ہوں کہ جادو جیسی غیر اخلاقی سرگرمی کا رجوع تم کسی صورت نہیں کر سکتے۔" ان کی آواز میں اعتماد تھا۔ خلوص تھا۔ اپنائیت تھی۔

فیض کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میں جانتا ہوں تم نے کوئی جادو نہیں کیا۔ لیکن یہ لوگ اب تمہیں نہیں چھوڑیں گے فیضان۔ تمارے حق میں بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔اور دوبارہ قلبلار کبھی مت آنا۔" انہوں نے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھے اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"میری جان بچانے کے لیے آپ کا بہت شکریہ اسلام صاحب۔ لیکن مجھے اب پیسے کی ضرورت نہیں رہے گی۔" اس نے نوٹ انہیں واپس کیے اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ زینے چڑھ کر اوپر آیا اور پیچھے کی گلی میں کھلنے والے دروازے سے باہر نکل گیا۔

آسمان پر سیاہ بادل چھائے تھے، جو وقفے وقفے سے گرج رہے تھے۔ مگر لوگ انہیں نظر انداز کر کے اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ کسی کو کسی کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

وہ مصروف لوگوں سے بھری کتنی ہی گلیاں گزرا۔ یہاں تک کہ پکا راستہ کچا ہو گیا۔

وہ من من بھر کے قدم اٹھاتا ایک اونچی پہاڑی کی جانب بڑھتا گیا۔

قلبلار کی ایک طرف ساحل سمندر تھا جبکہ باقی کے تینوں اطراف میں اونچے، سرسبز پہاڑ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شہر قلبلار کہلاتا تھا۔ یعنی پہاڑوں کا دل۔

وہ اوپر پہنچا تو اس کا سانس پھول چکا تھا۔ مگر آج فیض بن غفار کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی۔ اسے اب جینے کی خواہش نہیں رہی تھی۔ حدائق کے لوگ اسے قبول نہیں کریں گے۔ شام تک وہ قلبلار میں بھی اشتہاری قرار دے دیا جائے گا۔ وہ جہاں بھی چلا جائے یہ شراپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔

وہ خود کو گھسیٹ کر پہاڑ کے دہانے تک لایا۔ وہاں لگی آٹھ دس پتھریلی سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آیا۔

ذرا نیچے ہو کر بنا یہ چٹان نما حصہ تقریباً بارہ تیرہ گز کا تھا۔ وہاں ایک بڑا سا برگد

کا پیڑ بھی پھیلا تھا جس کی شاخیں، ٹہنیاں اور خلائی جڑیں نیچے لٹکتی تھیں۔یوں جیسے رسیاں ہوں۔

وہ لرزتے دل کے ساتھ کنارے تک آیا۔پھر قدرے آگے ہو کر نیچے جھانکا۔ نیچے سبز بوٹیوں اور گھنے درختوں سے سر پوشیدہ گہری کھائی تھی۔

اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔پھر دائیاں پاؤں ہوا میں بلند کر دیا۔

"اگر چھلانگ لگانے کی کوشش کر رہے ہو تو وہ سامنے والا پہاڑ اس چٹان سے زیادہ اونچا ہے۔وہاں جاؤ۔"

ایک جھٹکے میں فیض کی آنکھیں کھلیں۔اس نے ہڑبڑا کے ادھر اُدھر دیکھا۔

"یہاں۔اس طرف۔"کسی کی مردانہ آواز نے ایک مرتبہ پھر بازگشت کی۔" اوپر۔"

فیض نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔وہ سکتے میں آ گیا۔

سیاہ ملبوسات والا لڑکا،ایک موٹی شاخ کے اوپر دونوں ہاتھ تکیے کی صورت سر کے پیچھے باندھے اور پاؤں کی قینچی بنائے آرام دہ سا لیٹا تھا۔وہ فیض کی طرف نہیں

دیکھ رہا تھا۔چت لیٹے، پُر سکون سانسوں کے ساتھ درخت سے لٹکتی خلائی جڑوں (ٹہنیوں) کو دیکھ رہا تھا۔ یا شاید انہیں گن رہا تھا۔

وہ یہاں کیسے پہنچا؟ کیا وہ اس کا پیچھا کر رہا تھا؟

مگر فیض کو بالکل بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔نہ ہی اس لڑکے کا تنفس بھاری تھا۔ جبکہ پہاڑی چڑھتے ہوئے فیض کی تو سانسیں ہی نہیں مل رہی تھیں۔

"اگر واقعی مرنا چاہتے ہو تو سامنے والے پہاڑ سے کود دو۔وہ زیادہ اونچا ہے۔وہاں سے تمہارے بچنے کے امکانات بہت کم ہوں گے۔"اس نے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا۔

www.novelsclubb.com

فیض نے گردن بائیں طرف موڑ کے اونچے پہاڑ کو دیکھا۔پھر چہرے کا رُخ واپس اس کی طرف کیا۔

"کوئی خودکشی کرنے جا رہا ہو تو اسے روکتے ہیں۔اس کے عزم کو بڑھاوا نہیں دیتے۔"وہ بولا تو اس کی آواز بے حد اداس اور مدھم تھی۔

"میں دوسروں کے ذاتی معاملات میں بلاوجہ اپنی ٹانگ نہیں اڑاتا۔" لڑکے نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

فیض نے ایک گہرا سانس باہر خارج کیا۔

"تم نے قتل کروایا نا اس آدمی کو؟" تنفر سے ہیٹ والے لڑکے کو دیکھا۔

اس نے نظریں ٹہنیوں سے ہٹائیں۔ پھر ابرو اکٹھے کر کے فیض کو گھورا۔ "کیا یہ بھی تمہیں الہام ہوا ہے؟"

فیض سانس اندر کھینچ کر اسے باہر نکالنا بھول گیا۔

"یعنی تم مانتے ہو کہ تم نے اسے مروایا ہے؟" تھوڑی دیر بعد وہ اسے چبھتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔" وہ صاف مکر گیا۔

پھر وہ ایک لٹکتی خلائی جڑھ سے لپک کر نیچے اترا اور اپنی ہیٹ درست کی۔

"تم نے اس کے ناخنوں کی نیلاہٹ کو دیکھ کر اس کے بارے میں سوچا اور تمہیں الہام ہوا کہ وہ مرنے والا ہے۔ ہے نا؟" وہ بے حد متاثر نظر آتا تھا۔

ناچاہتے ہوئے بھی فیض کو دل ہی دل میں اسے اس کے بہترین مشاہدے کے لیے داد دینی پڑی۔

"وہ مر چکا ہے۔اس بات کا اب کیا فائدہ؟"اس نے دکھ اور ملال سے کہا۔

"تم کیوں احساسِ جرم میں مبتلا ہو رہے ہو۔تم نے اسے نہیں مارا۔"

"ہاں۔یہ نیک کام تم نے جو کیا ہے۔"فیض نے تلخی سر سے جھٹکا۔

"میں نے کہا نا، میں نے اسے نہیں مروایا۔"اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"میرے پیچھے بھی اسی لیے آئے ہو نا تاکہ اپنے جرم کا نام و نشان مٹانے کے لیے مجھے مار سکو۔لیکن تمہیں یہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔میں خود بھی اپنی زندگی سے تنگ ہی ہوں۔"

www.novelsclubb.com

اس لڑکے کی سرمئی آنکھوں میں اکتاہٹ واضح ہوئی۔پھر اس نے اپنے کوٹ کی اندورنی جیب میں سے ایک قلم اور ڈائری نکالی۔اس پر چند الفاظ گھسیٹے اور صفحہ پھاڑ کر فیض کی طرف بڑھایا۔

فیض نے پہلے اسے شکوک نگاہوں سے دیکھا پھر صفحہ اس کے ہاتھ سے لے کے

اس پر لکھی تحریر پڑھی۔

"میں نے اسے نہیں مروایا۔"

اس نے بے یقینی سے پہلے ہاتھ میں پکڑے صفحے کو دیکھا۔پھر سامنے کھڑے لڑکے کو۔

وہ بدلحاظ اسے اپنے منفرد انداز میں بہرہ کہہ رہا تھا۔

"تم...."

"میرے بارے میں قیاس آرائیاں کرنا بند کرو۔"لڑکے نے ہاتھ اٹھا کے کافی سخت لہجے میں اسے ٹوک دیا۔"وہ آدمی قلبلار کے پیشہ ور مجرموں کے ایک گروہ کا فرد تھا۔اپنے سیٹھ سے غداری کرنے جا رہا تھا اس لیے اس نے اسے مروا دیا۔"

"اور اس کے ناخنوں میں وہ نیلاہٹ؟ وہ کیوں تھی؟"فیض نے استفسار کیا۔

"وہ ایک عیاش مرد تھا۔اس کی بیوی اسے آہستہ آہستہ زہر دے کر اپنے ساتھ ہوئی بیوفائی کا انتقام لے رہی تھی۔"اس نے بے پرواہی سے کندھے اچکائے۔

فیض کا منہ کھل گیا۔قلبلار میں کیا سب مجرم ہی رہ گئے تھے؟

پھر اس کی آنکھیں تفتیشی انداز میں چھوٹی ہوئیں۔"اور تمہیں یہ سب کیسے معلوم؟"

وہ اس ساری گفتگو میں پہلی مرتبہ مسکرایا تھا۔ مگر اس کی مسکراہٹ فیض کو بہت نامکمل لگی تھی۔

"قلبلار میں واقع ہونے والا سب کچھ مجھے معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں بھی الہام ہوتے ہیں کیا؟"

"کاش ہوتے۔"اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"یقین جانو، خوش قسمت ہو جو یہ بلا تم سے دور ہے۔"وہ تلخی سے مسکرایا۔

پھر وہ چٹان کے کنارے کی طرف مڑا۔اور ایک مرتبہ پھر نیچے جھانکا۔

"اگر خود کودنے سے ڈر لگ رہا ہے، تو میں مدد کر دوں؟"اس لڑکے نے فیض کے کان کے قریب نہایت سرد اور پراسرار آواز میں سرگوشی کی تو اس کی گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔

مگر اسے سوچنے کا وقت نہیں ملا۔

پیچھے سے اس نے فیض کو کھائی میں دھکا دے دیا۔

خوش قسمتی سے اس کے ہاتھ میں درخت سے لٹکتی رسی نما ایک ٹہنی آ گئی۔

وہ اب چٹان سے نیچے لٹک رہا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ آنے والی ٹہنی زیادہ دیر اس کا وزن برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اگر وہ ٹوٹ گئی تو اس قدر نیچے جا کے گرتا کہ کسی کو اس کی لاش تک نہ ملتی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" وہ چلایا۔ اس کی آواز آس پاس کے پہاڑوں سے ٹکرا کر واپس لوٹ آئی۔

اس لڑکے نے کوئی اثر لیے بغیر اپنی ٹانگ اوپر کر کے لمبے بوٹ کے اندر سے ایک خنجر نکالا۔ فیض کا حلق سوکھنے لگا۔ اس نے آزاد ہاتھ سے چٹان کے کنارے کو پکڑ لیا۔

اس کا شک درست تھا۔ اس آدمی کو واقعی اسی لڑکے نے مروایا تھا۔ اور اب وہ اسے مارنے آیا تھا۔

وہ نیچے جھک کر فیض کے پاس بیٹھا۔ اور تیز دھاری خنجر سے لٹکتی ٹہنی کو کاٹنا

شروع کر دیا۔

فیض نے ایک تیز نظر اپنے نیچے دوڑائی۔مارے خوف کے اس کا دل کانپ اٹھا۔

بس ایک مرتبہ وہ یہاں سے بچ جائے۔اس لڑکے کا تو وہ ایسا حال کرے گا کہ اس کی آنے والی سات نسلیں یاد رکھیں گی۔

ٹہنی کٹ گئی تو اس نے دوسرا ہاتھ بھی چٹان کے پتھریلے کنارے پہ جما لیا۔مگر اس کے ہاتھ ابھی سے چھلنے لگے تھے۔وہ زیادہ دیر اس حالت میں نہیں رہ سکتا تھا۔

لیکن اس لڑکے کا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔اس نے اپنا دائیاں پاؤں فیض کے بائیں ہاتھ پہ رکھ کر اسے کچلنے کی کوشش کی۔

اس کا ہاتھ کنارے سے چھوٹ گیا۔

www.novelsclubb.com

پھر وہ لڑکا پنجوں کے بل نیچے بیٹھا۔اس کا چہرہ کسی بھی قسم کے تاثر سے آزاد تھا۔

اس نے فیض کے دوسرے ہاتھ کو بھی ہٹانے کی کوشش کی مگر فیض نے اس کی کلائی پر اپنی مضبوط گرفت جما لی۔

لڑکے کی آنکھوں میں ایک استہزائیہ تاثر نمایاں ہوا۔

پھر اس نے بائیاں ہاتھ فیض کی طرف بڑھایا۔ وہ ٹھٹکا۔ جھجکا۔ مگر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

اس نے پوری قوت سے فیض کو اوپر کھینچا۔ فیض نے بھی اوپر کی طرف زور لگایا۔ کافی دیر کی محنت مشقت کے بعد بلآخر وہ اسے اوپر کھینچنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اب وہ دونوں زمین پہ چت لیٹے بادل آلود آسمان کو دیکھ رہے تھے۔ فیض گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ پڑا وجود ابھی بھی پُر سکون ہی تھا۔

اس کی سانسیں بحال ہوئیں تو وہ کروٹ لے کر اٹھا۔ لڑکے کو گریبان سے پکڑ کر اپنے شکنجے میں لیتے ہوئے ایک زوردار مکا اس کے دائیں جبڑے پہ دھرا۔

اس کے نچلے ہونٹ سے خون کی ایک پتلی سی لہر نکلی تھی۔

فیض نے دوسرا مکا مارنے کے لیے ہاتھ ہوا میں بلند کیا مگر پھر یکدم وہ رک گیا۔

ساکت۔ جامد۔

اس کے گریبان پر فیض کی گرفت خود ہی ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ کسی خواب دیدہ سی کیفیت میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔ گردن گھما کر کھائی کی طرف دیکھا۔ پھر نیچے لیٹے وجود

کو۔

وہ ہاتھوں کا تکیہ بنائے، استہزائیہ مسکرا رہا تھا۔ "میں نے تمہیں دھکا دیا۔ تم نے ٹہنی تھام لی۔ میں نے ٹہنی کاٹی تو تم نے چٹان پر اپنے ہاتھوں کی گرفت جمالی۔ میں نے تمہارے ہاتھ ہٹانے چاہے تو تم نے میرے بازو کا سہارا لے لیا۔ تم نے زندگی کی ڈور کو اپنے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ جانتے ہو کیوں؟" وہ ٹھہرے ہوئے پُر سکون سے لہجے میں بول رہا تھا۔ اور اس کے الفاظ فیض کے اندر تک اتر رہے تھے۔

پھر وہ اٹھ کر بیٹھا۔ "کیونکہ آرزوِ زندگی تم میں ابھی بھی باقی ہے۔ مرنا نہیں چاہتے تم۔"

فیض بھی اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھ گیا۔ اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا کر گھٹنوں پر رکھ لیے۔

"میں ہمیشہ سے ایک بہت بڑا مفکر رہا ہوں۔" وہ بولا تو اس کی آواز غمگیں تھی۔ اسے اپنے اندر کا غبار کسی کے سامنے تو نکالنا ہی تھا۔ تو پھر یہ اجنبی لڑکا ہی سہی۔

"مجھے تمہاری دکھی داستان سننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" ساتھ بیٹھے، اس

کے محسن نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کیے۔

مگر وہ اسے نظر انداز کر کے اپنی کہتا گیا۔ "بچپن سے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بہت گہرائی میں جا کر سوچتا آیا ہوں۔ زیادہ تر چیزوں کو لے کر میرے اندازے ہمیشہ درست ثابت ہوتے تھے۔ رمضان میں انتیس روزے ہوں گے یا تیس۔ فلاں دن بارش ہو گی یا نہیں۔ کوئی امتحانات میں کامیاب ہو گا یا ناکام۔ میرا ہر اندازہ ٹھیک ہوتا۔ میری چھٹی حس مجھے سب بتا دیتی تھی۔" اس نے توقف کر کے اپنے بائیں طرف دیکھا۔ وہ لڑکا اپنی ہیٹ سے چہرہ ڈھک کر دوبارہ لیٹ چکا تھا۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اور اپنی بات وہیں سے شروع کی جہاں چھوڑی تھی۔ "یہاں تک کہ مجھے وہ نظر آنے لگا جو اور کسی کو نہیں آتا۔ تین سال پہلے مجھے ایک ادراک سا ہوا کہ میرے گاؤں کے ایک مقامی باغ میں آگ لگ جائے گی۔ میں نے وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ لیکن دو دن بعد ایسا ہی ہوا۔ میں نے پھر بھی دھیان نہیں دیا۔ محض ایک اتفاق سمجھ کر یہ واقع بھلا دیا۔ مگر پھر ایسے بہت سے واقعات ہونے لگے۔ میں ذرا سا کسی چیز کے بارے میں سوچتا تو مجھ پر اس کے مثبت یا منفی پہلو ظاہر

ہو جاتے۔ میں نے اپنے ساتھ ہونے والی اس عجیب چیز کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا۔ جب بھی مجھے کوئی وجدان یا الہام سا ہوتا میں اسے ایک محفوظ ڈائری میں لکھ لیتا۔ مگر پانچ ماہ پہلے میری وہ ڈائری گاؤں کے ایک لڑکے کے ہاتھ لگ گئی۔ اس نے پورے حدائق کو چیخ چیخ کر بتایا کہ میں صدیوں پہلے ممنوع قرار دیا جانے والا جادو کر کے لوگوں کی زندگیاں برباد کر رہا ہوں۔" اس کے چہرے پہ زخمی سا تاثر ابھرا۔

"مجھے اچھی چیزوں کے بارے میں بھی الہام ہوتے تھے۔ اس ڈائری میں وہ بھی درج تھے۔ مگر میرے لوگوں نے صرف منفی چیزوں پر توجہ دی۔ دن رات میرے ماں باپ کو منحوس اولاد پیدا کرنے کے طعنے ملنے لگے۔ میرے گھر کے افراد کا گھر سے نکلنا مشکل ہو گیا۔ جس کی زندگی میں بھی کچھ کچھ برا ہوا اس نے بنا سوچے سمجھے مجھے اس کا ذمہ دار ٹھہرا دیا۔ وہ لوگ جن کی آنکھوں میں میرے لیے کبھی ستائشی تاثرات ہوا کرتے تھے، مجھ سے شدید نفرت کرنے لگے۔ وہ لوگ جو مجھے دعائیں دیتے نہیں تھکتے تھے، اتنی تلخ باتیں کہنے لگے کہ میرا دل ٹوٹ گیا۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ اس کے ساتھ لیٹا لڑکا اب ایسے گہرے سانس لے

رہا تھا جیسے وہ نیند میں ہو۔

فیض اب جیسے غیر حاضر سامعین سے مخاطب تھا۔

"میں چھوٹے موٹے نظر کے دھوکے والے جادوئی کرتب کرتا تھا جس سے پورا حدائق لطف اٹھاتا تھا۔اسی چیز کو بنیاد بنا کر میرے لوگوں نے ایک ناکردہ گناہ کی سزا کے طور پر مجھے نہران کے زندان میں بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔جس نقیب نے مجھے گرفتار کیا تھا وہ بھلا انسان معلوم ہوتا تھا۔اس نے مجھے زندان پہنچنے سے پہلے ہی بھگا دیا۔اور دیکھو اس کی یہ نیکی میرے تو کسی کام نہیں آسکی۔اب قلبلار سے بھی منہ چھپا کر بھاگنا ہی پڑے گا۔" وہ تلخی سے سر جھٹک کر خاموش ہو گیا۔

ماحول میں اب صرف اس لڑکے کے گہرے سانسوں کی آواز تھی۔باقی ہر چیز پر سکوت طاری تھا۔

"انسان کا دل اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے کہ کسی دوسرے کے منہ سے نکلی کھوٹی باتوں سے ٹوٹ جائے، فیض۔" وہی دل میں اتر جانے والی، ٹھہری ہوئی آواز اس کے کانوں میں گونجی تو اس نے جلدی سے لڑکے کے منہ سے ہیٹ ہٹائی۔

"تمہیں میرا نام کیسے پتہ؟" وہ اس بات پر تو چونکا ہی تھا کہ یہ سارا وقت وہ جاگ رہا تھا۔ مگر یہ بات زیادہ حیران کن تھی کہ اسے اس کا نام بھی معلوم تھا۔

"میں نے کہا نا، قلبلار میں ہونے والا سب کچھ مجھے معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی لکھ کر دوں کیا؟" وہ اٹھ کر بیٹھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"وائل۔"

اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ نام اس نے پہلے بھی کہیں سنا تھا۔ مگر کہاں؟

"تم مجھے پیار سے بھی اپنی بات سمجھا سکتے تھے۔ یہ سارا ناٹک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اگر میں واقعی گر جاتا تو؟" وہ قدرے خفگی سے بولا۔

"مجھے چار زبانیں آتی ہیں۔ اور پیار کی زبان ان میں شامل نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ سے سیاہ کپڑوں پہ لگی مٹی جھاڑی۔

"کون سی چار زبانیں؟" فیض بھی ساتھ ہی اٹھا۔

"ایک ہاتھوں کی۔" دونوں ہاتھ سامنے کر کے دکھائے۔ "دوسری لاتوں

کی۔"دائیں ٹانگ ہوا میں لہرائی۔"تیسری لاٹھی کی۔"پیڑ کی جو شاخ اس نے کاٹی تھی اس کا ٹوٹا ہوا حصہ نیچے جھک کر اٹھایا۔"اور چوتھی، جو میں بول رہا ہوں۔"

فیض نے آنکھیں گمائیں۔

پھر وہ آگے بڑھا اور فیض کے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھا۔"آئندہ مجھ پر ہاتھ مت اٹھانا، فیض۔"اس کا لہجہ سخت تھا۔آنکھوں میں ایک عجیب سی کاٹ تھی۔

"بے فکر رہو۔آئندہ کے لیے میں یہاں موجود ہی نہیں ہوں گا۔"فیض نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیا۔اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

اسے کل کا سورج نکلنے سے پہلے قلبلار کو چھوڑنا تھا۔

www.novelsclubb.com

"فیض؟"وہ اوپر پہنچا تو وائل نے وائل نے پیچھے سے پکارا۔

"ہاں؟"وہ اس کی طرف مڑا۔

"میرا اثاثہ بنو گے؟"وہ اس کے سامنے چند قدم کے فاصلے پر آ کے کھڑا ہوا۔اور دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈال لیے۔

فیض اداسی سے مسکرایا۔"میں کسی کا اثاثہ نہیں بن سکتا وائل۔میں منحوس ہوں۔"

"یا شاید تم مبارک ہو۔"

وہ تلخی سے مسکرایا۔نحوست کا طعنہ اتنی مرتبہ سنا تھا کہ اب کسی دوسرے کے منہ سے اپنے لیے مبارک جیسا لفظ سن کر اسے بہت عجیب سا محسوس ہوا تھا۔

اس نے سانس اندر کھینچی۔"میری بصارت ملعون ہے۔"

"یا شاید تمہاری بصارت انعام ہے۔"وہ بھی اپنی منطق پہ بضد تھا۔

"وائل تم...."وہ کہتے کہتے اچانک رک گیا۔گویا نمک کا مجسمہ بن گیا ہو۔

وائل۔

www.novelsclubb.com

وائل بن آدم۔

جسے قلبلار عفریت کے لقب سے جانتا تھا۔

جس کا نام قلبلار کے طاقتور ترین مجرموں میں شامل تھا۔

جو کارآمد لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر انہیں اپنے گروہ میں شامل کر لیتا تھا۔

اوہ خدایا۔

"اگر تم میرے لیے کام کرو تو میں تمہیں حفاظت فراہم کر سکتا ہوں۔ پھر تمہیں قلبلار چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" وہ چار قدم چل کر قریب آیا۔

سفید پڑتے چہرے کے ساتھ، نفی میں گردن ہلاتا، فیض پانچ قدم پیچھے ہٹا تھا۔

اور پھر اچانک نیلی لہروں پہ ابھرتا منظر دھندلا گیا۔

(موجودہ وقت)

"اگر اپنی جان لینے کی کوشش کر رہے ہو تو تھوڑا انتظار کر لو۔" ایک نسوانی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔ وہ یکدم ماضی سے نکل کر حال میں واپس آیا۔ "پانی گہرا ہونے دو پھر کودنا۔ مرنے میں آسانی ہو گی۔"

اس نے بے اختیار گردن گھما کے دائیں جانب دیکھا۔ اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

زمرد جیسی چمک رکھنے والی دو سبز آنکھیں گہری بھوری آنکھوں سے ٹکرائیں۔

ایک لمحے کے لیے فیض بن غفار کو لگا وہ کسی سحر کے زیرِ اثر آ گیا ہے۔ اس کی بھوری

آنکھوں میں سمایا گلابی رخسار اور سنہری رنگت والا حسین چہرہ، نرم نقوش کا شاہکار تھا۔ایسا نہیں تھا کہ فیض نے آج سے پہلے کوئی خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ مگر آج سے پہلے اسے کسی کی خوبصورتی اس قدر کامل نہیں لگی تھی۔ حسن اس لڑکی پہ تمام ہوا تھا۔اس نے دل ہی دل میں اقرار کیا۔

سیاہ رنگ کے پیروں تک آتے لباس میں ملبوس، وہ اسے بے تاثر چہرے کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔اس کے سیاہ گہرے بال ہوا کے باعث اڑ رہے تھے جنہیں وہ بار بار کان کے پیچھے اڑستی۔

وہ کب اس سے کچھ فاصلے پہ آ کھڑی ہوئی اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔

"جب کوئی مرنے جا رہا ہو تو اسے روکتے ہیں۔"

"میں دوسروں کے ذاتی معاملات سے دور رہنا ہی پسند کرتی ہوں۔" وہ بے تاثر آواز میں شانے اچکا کے بولی۔اور سامنے دیکھنے لگی۔

اس کی یہ بات سن کے فیض کو یکدم وائل یاد آیا تھا۔کسی کے خودکشی کے ارادے سے اس قدر بے پرواہی ظاہر کرنے والی وہ لڑکی اسے وائل کی کوئی بچھڑی

ہوئی رشتہ دار لگی تھی۔

"تم کسی وائل بن آدم کو جانتی ہو؟" نجانے کیوں مگر وہ یہ سوال پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

لڑکی نے بے اختیار گردن اس کی طرف گھمائی۔اس کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا تھا۔ مگر پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں۔ تم نے کیوں پوچھا؟"

"بس یونہی۔" اس نے کندھے اچکائے۔اور سمندر میں اٹھتی لہروں کو دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ اعتماد سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی۔ "تمہارا ارادہ بدلا؟"

"کون سا ارادہ؟" فیض نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"خودکشی کرنے کا۔" جنگلے پہ ہاتھ رکھ کے نیچے جھانکا۔

"میں خودکشی کرنے نہیں جا رہا تھا۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ مگر اسے اپنے الفاظ بہت کھوکھلے لگے تھے۔

"بل کھاتی ان لہروں کو گھور تو ایسے رہے تھے جیسے ابھی کود جاؤ گے۔" اس نے

گردن سے پانی کی طرف اشارہ کیا۔ پھر چہرے کا رُخ واپس اس کی طرف موڑا۔

"تمہاری آنکھیں دیکھ کے لگ رہا ہے تم بہت روئے ہو؟"

اور گذشتہ رات گلستانِ خزاں میں بیٹھ کے وہ واقعی بہت رویا تھا۔ اس کی گہری بھوری آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

فیض نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ دوبارہ بولی۔ "میں جانتی ہوں تم اپنا دکھ کسی اجنبی سے بانٹنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ لیکن یقین جانو بات کرنے سے دل ہلکا ہوتا ہے۔ دل کا درد کم ہو جاتا ہے۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو تم کہہ رہی تھیں کہ دوسروں کے ذاتی معاملات سے دور رہنا پسند کرتی ہو؟" فیض نے مشکوک نظریں اس کی طرف پھیریں۔

"ہاں۔ مگر جب کوئی اس قدر تکلیف میں ہو تو پھر کچھ دیر کے لیے میں اپنے اس اصول پہ سمجھوتہ کر لیتی ہوں۔" وہ مسکرا کے بولی۔ فیض کو اس کی مسکراہٹ بہت مصنوعی لگی تھی۔

(کیا وہ اس سے اپنا کوئی کام نکلوانا چاہتی تھی؟ مگر اس اجنبی لڑکی کو اس سے کیا ہی

کام ہو سکتا ہے؟)

وہ کچھ دیر سامنے دیکھتے ہوئے سوچتا رہا۔ پھر جب بولا تو آواز میں زمانے بھر کی اداسی تھی۔ "انسان کا حقیقی گھر اس کے ماں باپ سے ہوتا ہے۔ اور جب ماں باپ نہیں رہتے تو وہ گھر ٹوٹ کے بکھر جاتا ہے۔ پھر اولاد کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں رہتا۔ آج میرا گھر بھی بکھر گیا۔ میں بھی سہی معنوں میں بے گھر ہو گیا۔"

"اوہ۔" لڑکی کے لب گول ہوئے۔ "تمہارے والدین کے انتقال کا مجھے بہت افسوس ہوا۔" وہ پُر تکلف انداز میں بولی۔ فیض نے افسردگی سے سر کو خم دے کر اس کی تعزیت قبول کی۔

"تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے نا؟" فیض پورا کا پورا اس کی طرف گھوما۔

اسے لگا تھا وہ حیران ہو گی مگر وہ جواباً مسکرائی۔ "کافی سمجھدار ہو۔"

فیض نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے۔ "کہیئے محترمہ میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں؟"

"تم کسی الادین کو جانتے ہو؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں۔ مگر وہ ایک بدنامِ زمانہ قاتل ہے۔"

"جس الادین کی مجھے تلاش ہے، فرشتہ وہ بھی نہیں ہے۔"

"اور کیوں ہے تمہیں اس الادین کی تلاش؟" فیض نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کچھ پرانے حساب برابر کرنے ہیں۔" ایک سخت نوکیلا سا تاثر اس کی آنکھوں میں ابھرا تھا۔ "کہاں ملے گا یہ الادین؟"

"پتہ نہیں وہ تمہیں ملے گا بھی یا نہیں۔"

"کیوں؟"

"اسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کے وجود کا واحد ثبوت وہ قتل ہیں جو قلبلار میں ہوتے ہیں۔ ہر قتل کے بعد وہ مقتول کے خون سے اپنا نام لکھ کر جاتا ہے۔ پہلے لوگ سمجھتے تھے، مرنے والا، لوگوں کو اپنے قاتل کے نام سے آگاہ کرنے کے لیے وہ نام لکھتا ہے۔ مگر بعد میں لوگوں کو احساس ہوا کہ وہ نام الادین خود لکھتا ہے۔" فیض رسان سے بولے جا رہا تھا۔ اور وہ لڑکی سامنے خلا میں دیکھتے

ہوئے اس کی بتائی گئی ساری معلومات کو ذہن میں جذب کر رہی تھی۔ "ایسا کر کے وہ لوگوں میں اپنا خوف بٹھانے کی کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوا ہے۔ کیونکہ جو قتل کر کے اپنا نام بتا دے وہ بے خوف ہوتا ہے۔ اسے پکڑے جانے کا ڈر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ اور ایسا انسان جانور سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔" پھر اس نے دونوں ہاتھ قمر پہ رکھے۔ اور پُر سوچ آواز میں بولا۔ "ویسے اس بات کا کیا امکان ہے کہ یہ الادین وہی الادین ہے جسے تم ڈھونڈ رہی ہو؟"

وہ اس کی طرف مڑی۔ اور قدرے اکھڑ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "آئندہ خود کشی کی کوشش مت کرنا۔"

www.novelsclubb.com

فیض نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ وہ تو اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا۔ مگر وہ لڑکی بڑی ہوشیاری سے گفتگو کا رُخ اس کی طرف پھیر گئی تھی۔

"تم خود اپنی قدر نہیں کرتے اس لیے مرنے جا رہے تھے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "مگر میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں، اس پوری دنیا میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور

ہو گا جسے تمہاری وقعت کی پہچان ہو گی۔ جو دل سے تمہاری قدر کرتا ہو گا۔ خود کے لیے نہ سہی تو اس کے لیے آئندہ ایسی حرکت مت دہرانا۔ یہ زندگی ایک نعمت ہے۔ اس پہ اللہ کا شکر ادا کرنا سیکھو۔ یوں خودکشی جیسا بزدل عمل کر کے کفر مت کرو۔" خفگی سے کہہ کر وہ واپس جانے کے لیے پلٹ گئی۔

وہ اسے یہ نہیں بتا سکا کہ اس کا قدر دان تھا تو سہی مگر اس چال باز انسان کے پاس دل نہیں تھا۔

"میں فیض ہوں۔" اس نے پیچھے سے پکارا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"لیلیٰ۔" وہ بنا پلٹے بولی تھی۔

"لیلیٰ۔" فیض نے اس کا نام زیرِ لب دہرایا۔

اگر وہ لیلی تھی تو اسے قیس ہونا چاہیے تھا۔ وہ فیض کیوں تھا؟

اُف۔ وہ یہ کیا سوچنے لگ گیا تھا۔ وہ یقیناً اس لڑکی سے دوبارہ کبھی ملے گا بھی نہیں۔ پھر ایسی خواہش کا کیا جواز؟

وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے رُخ واپس سمندر کی طرف کر لیا۔ گہرا

سانس لے کر اپنی منزل کے بارے میں سوچنے لگا۔قلبلار کے بہت سارے نام تھے۔ان میں سے ایک بنجاروں کا شہر بھی تھا۔ایک برس پہلے جب وہ وہاں گیا تھا تو مفرور قیدی تھا۔اور آج جب وہ بنجاروں کے شہر واپس جا رہا تھا تو واقعی بنجارہ بن کے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہران۔

سلطان خیام کے محل میں بنے خاص فوجی کمروں میں سے ایک میں جھانکو توزین دیوار گیر آئینے کے آگے کھڑا لکڑی کی کنگی سے اپنے سیاہ بال سنوار رہا تھا۔اس نے بغور آئینے میں نمایاں ہوتا اپنا عکس دیکھا۔وہ سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید شرٹ کے اوپر لیدر کی سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔لمبے بوٹ گھٹنوں سے ذرا نیچے کو آتے تھے۔ آج وہ اپنے بھائی سے ملنے قلبلار جا رہا تھا۔مگر اس سے پہلے اسے ایک مرتبہ ابوالحسن سے ملنا تھا۔شاہی دربار میں پیشی کے بعد یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔زین نے اس ملاقات کی توقع پچھلے تین سالوں سے کی تھی۔اس نے جھک کر دراز کے

اوپر سے ایک خنجر اور اپنا قطب نما اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

انتہائی گرم اور تیز دھوپ کے محل کی سفید سنہری عمارت سے ٹکرانے کے باعث سلطان خیام کا محل سونے کی طرح چمک رہا تھا۔ شاہی خادم اپنے اپنے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ زین دھوپ سے بچنے کے لیے برآمدے کے شفاف سنگ مرمر پہ چلتا زندان کی طرف جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پتھریلی سیڑھیاں اتر کر زندان میں آیا تو نیچے کھڑے سپاہیوں نے اسے سلیوٹ کیا۔ وہ ہاتھ اٹھا کے سر کو خم دیتا آگے بڑھ گیا۔ زندان کی دیواروں پہ لگی ساری مشعلوں میں پھڑ پھڑاتی آگ نے زندان کو زرد رنگ کی روشنی سے منور کر رکھا تھا۔ اندر کی فضا باسی اور نم محسوس ہوتی تھی۔

زین طویل راہداری میں آگے بڑھاتا گیا۔ وہ دونوں اطراف میں میں بنے حجروں کے اندر موجود قیدیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ کچھ لکڑی کے بینچوں پہ لیٹے تھے تو کچھ بیڑیوں میں جکڑے زمین پہ دوزانوں بیٹھے تھے۔ خالی حجروں کی دیواروں کی زینت بنی زنگ آلود زنجیریں اور بیڑیاں زندان کی کٹھن زندگی کی یاد دہانی کرواتی تھیں۔

www.novelsclubb.com

زین راہداری کے آخر تک گیااور دائیں جانب والے حجرے کے پہرادار سپاہی کو ہاتھ سے اشارہ کیاتواس نے لوہے کی سلاخوں کے درمیان بنانھادروازہ کھول دیا۔ وہ قدرے جھک کراندرداخل ہوااوراپنے پیچھے دروازہ بند کردیا۔اس کے سامنے لکڑی کے دیمک زدہ بینچ کے ساتھ زمین پہ بیٹھے ابوالحسن کے ہاتھ پیر بیڑیوں میں جکڑے تھے۔

اس نے سراٹھاکر متنفر نگاہوں سے زین کی آنکھوں میں دیکھا۔وہ درمیانی عمر کا لمباچوڑامرد تھا۔دھاڑی اور سر کے کچھ بال سفید ہوچکے تھے۔

زین نے سلاخوں کے ساتھ ٹیک لگاکے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے۔"میں اس امید میں یہاں آیاہوں کہ شایداب تم مجھے پہچان گئے ہوگے۔کیاکچھ یادآیا ابوالحسن جابربن عفان؟"اس نے مسکراکے سوال کیا۔

"زیدبن ظفر۔عمر پچیس برس۔عہدہ،رائڈ(میجر)۔"وہ نفرت سے بڑبڑاتے ہوئے سمجھنے والے انداز میں سرہلارہاتھا۔

زین کے لبوں پہ ایک مرتبہ پھرفاتحانہ مسکراہٹ بکھرگئی۔"بلآخرتم نے گتھی

سلجھالہ۔میں تو حیران ہوں کہ تم مجھے میرے نام سے بھی پہچان نہیں پائے۔یا شاید پھر تم نے اتنے زید قتل کیے ہیں کہ تمہارا دھیان زید بن ظفر کی طرف کبھی گیا ہی نہیں۔تم نے یہ امکان کبھی سوچا ہی نہیں کہ جنہیں تم نے مارا ہے ان سے محبت کرنے والے ان کے والی وارث تم سے انتقام لینے بھی آ سکتے ہیں۔"

"تو پھر انتقام لیا کیوں نہیں؟ کیوں مجھے جان سے نہیں مار ڈالا۔میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں تمہیں کئی مواقع ملے ہوں گے۔پھر مجھے مار کر اپنے بھائی کی موت کا بدلہ کیوں نہیں لیا؟" وہ تجسس سے آنکھیں چھوٹی کیے بغور زین کو دیکھ رہا تھا۔

زین کافی دیر خاموش رہا۔

"تمہاری جان بہت سستی ہے ابوالحسن۔اور میرے بھائی کا خون بہت قیمتی تھا۔" وہ بولا تو آواز سرد تھی۔"جانتے ہو تمہاری موجودگی میرے لیے کس قدر عذاب تھی۔تمہارے لیے کام کرنا.... تمہارے آگے پیچھے پھرنا.... تمہیں سیّد کہہ کر بلانا.... خون کھولتا تھا میرا۔جی چاہتا تھا تمہیں بھی وہی دردناک موت دوں جو تم

نے میرے بھائی کو دی۔" وہ اپنے شدید تکلیف دہ جذبات کا اظہار بڑے اطمینان سے کر رہا تھا۔

"تم پھر ایسا کیا کیوں نہیں؟" ابوالحسن نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کیونکہ میں جذباتیت پہ نہیں عقلیت پر انحصار کرنے والوں میں سے ہوں۔" زین سلاخوں کے ساتھ سے ہٹا۔ چار قدم چل کر ابوالحسن کے قریب آیا۔ "موت تمہارے لیے بہت آسان سزا تھی۔ چند لمحوں کی جسمانی اذیت اور پھر بس۔ ختم شد۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کے بعد جو عذاب تمہیں ملنا تھا وہ تو ویسے بھی تمہیں ضرور ملے گا۔ مگر جسمانی اذیت کے ساتھ ساتھ جو ذہنی عذاب میں تمہیں دینے والا ہوں نا وہ تمہارے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا دے گا۔" اس کا لہجہ اب بھی پُر سکون ہی تھا۔ ابوالحسن کی آنکھوں میں زین کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر اس کے ہاتھ پاؤں بیڑیوں میں جکڑے نہ ہوتے تو وہ اب تک زین کو قتل کر چکا ہوتا۔

"ایک اچھے انسان کا ضمیر سے بڑا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ لیکن ایک برے

انسان کا ضمیر سے بڑا کوئی دشمن نہیں ہوتا۔ ضمیر ہی اسے اس کے گناہوں کا احساس دلاتا ہے۔ابھی تمہیں اپنے اعمال پر کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ مگر جلد ہی جب تمہارا سویا ہوا ضمیر بیدار ہو گا تو تمہارے گناہوں کا احساسِ ندامت تمہیں دیمک کی طرح چاٹنے لگے گا۔"اس نے گردن ترچھی کر کے دیمک زدہ بینچ کی طرف اشارہ کیا۔

"اور اگر تمہارا ضمیر نہ بھی جاگا، تو جو جسمانی اذیت میں تمہیں دوں گا، وہ تمہیں موت کی خواہش کرنے پر مجبور کر دے گی۔ پھر تم صبح شام مجھ سے اپنے لیے موت کی بھیک مانگو گے۔"وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے پاس بیٹھا۔اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ کے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔"لیکن میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا ابوالحسن۔ میں تمہیں زندہ رکھ کر تمہاری زندگی کو جہنم بناؤں گا۔ تم میرے آگے گڑگڑاؤ گے۔ مجھ سے معافی مانگو گے۔ لیکن مجھے تم پر رحم نہیں آئے گا۔"

"وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔"ابوالحسن نے نظریں پھیر کے دانت کچکچائے۔

"میں بھی یہیں ہوں۔اور تم بھی کہیں نہیں جا رہے۔دیکھتے ہیں کس کی بات سچ

ثابت ہوتی ہے۔"اعتماد سے کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ایک استہزائیہ مسکراہٹ چہرے پہ لا کے باہر جانے کے لیے مڑ گیا۔

ابوالحسن پیچھے سے آنکھوں میں بے پناہ نفرت، غصہ،اور اشتعال لیے اسے گھورتا رہا۔

وہ زینے چڑھ کے زندان سے باہر نکلا تو ایک سفید سنہری ستون کے ساتھ ٹیک لگا کے کھڑا شہزادہ حاتم دکھائی دیا۔وہ سفید پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکرا کے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔زین کی طرح اس نے بھی سیاہ لمبے بوٹ پہن رکھے تھے۔ سیاہی مائل نیلے رنگ کی مخملی جیکٹ کے بٹن کھلے تھے۔نیچے سے اس کی سنہری بٹنوں والی سفید شرٹ جھلک رہی تھی۔وہ کافی خوشگوار مزاج میں لگ رہا تھا۔اسے دیکھ کر سیدھا کھڑا ہوا۔

"میں آپ سے ہی ملنے آنے والا تھا۔شہزادے۔"اس کے قریب پہنچ کر زین نے مصافحہ کرنے میں پہل کی۔

"مجھے بھی تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔"حاتم نے زین کا بڑھا ہوا ہاتھ

اپنے ہاتھ میں لیا۔

"پہلے آپ کہیے، شہزادے۔"

"پہل تم کروزین۔" اس نے ہاتھ سے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"مجھے آپ کا خصوصاً شکریہ ادا کرنا تھا۔ آپ نے میرے کہنے پر شاہی دربار میں ابوالحسن کو پھانسی کے بجائے عمر قید کی سزا دینے کی درخواست پیش کی۔ یقیناً شاہی عہدہ داروں کو قائل کرنے میں آپ کو مشکل درپیش آئی ہو گی۔ میں تہہ دل سے آپ کا مشکور ہوں۔" اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے نظریں جھکائیں۔

"میں صرف تم سے کیا وعدہ نبھا رہا تھا۔" حاتم رسماً مسکرا کے بولا۔ "مگر میں شدید تجسس کا شکار ہوں۔" الجھن اس سنہری آنکھوں میں صاف عیاں ہو رہی تھی۔ "تین برس پہلے جب تم میرے پاس آئے تھے ابوالحسن کے حفاظتی دستے میں میرا جاسوس سپاہی بن کر شامل ہونے کی درخواست لے کر تو تم نے مجھے اپنے اصلی مقصد سے بھی آگاہ کیا تھا۔ تم ابوالحسن سے اپنے بھائی کی موت کا انتقام لینا

چاہتے تھے۔تب سے لے کر دو دن پہلے تک میں یہی سمجھ رہا تھا کہ تم جان کا بدلہ جان سے لینا چاہتے ہو۔ مگر پرسوں رات یہ عمر قید والی درخواست سے تم نے مجھے حیران کر دیا۔ایسا کیوں کیا تم نے زین؟اس نے تمہارے بھائی کی جان لی اور تم نے اسے مرنے سے بچایا؟"شہزادے کے دونوں ابرو استفہام سے اٹھے۔

بات کرتے کرتے وہ دونوں محل کے باغیچے میں پہنچ آئے تھے۔رنگ برنگے پھولوں کی خوشبو نے فضا میں تیز عطر بکھیر رکھا تھا جو سیدھا نتھنوں سے ٹکراتا تھا۔

"میرے بھائی کے قیمتی خون کے مقابلے ابوالحسن کی جان بہت سستی ہے، شہزادے۔"وہ بولا تو آواز میں اداسی کا عنصر نمایاں ہوا۔"اس کی جان مجھے نہ میرا بھائی واپس لوٹا سکتی ہے۔نہ ہی میری کھوئی ہوئی زندگی۔ویسے بھی نجانے کتنے اور زید ہیں جن کی سانسوں کی ڈور اس نے کاٹ ڈالی۔صرف ایک جان اتنی ساری جانوں کے نقصان کا ازالہ نہیں کر سکتی۔میں اسے اتنی آسانی سے مرنے نہیں دوں گا۔زندہ رکھ کر بار بار ماروں گا۔"

"اب وہ تمہارا قیدی ہے زین۔تم اس کے ساتھ جو چاہے کر سکتے ہو۔قانونی

ضابطے کی حدود کو پامال کیے بغیر، جو مرضی سزا اسے دینا چاہو دے سکتے ہو۔ کوئی تمہیں نہیں روکے گا۔" شہزادے نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے اس کا کندھا تھپکا۔ اور پھر دونوں ہاتھ پشت پہ باندھے شاہانہ انداز میں چلتا آگے بڑھ گیا۔

زین گہرا سانس لے کر واپس پلٹ گیا۔ اسے آج قلبلار کے لیے روانہ ہونا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

شام ڈھل چکی تھی۔ مگر بازار میں اس وقت کافی گہما گہمی کا عالم تھا۔ آج ساتواں روزہ تھا۔ بعام خانے لوگوں کی بھیڑ سے بھرے تھے۔ روزہ افتار کرنے کے بعد لوگ اب رات کا کھانے کھانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

پچھلی کچھ دیر سے وائل صدر بازار میں سے گزرتے ہوئے آگے چلتی امیرہ کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ گاہے بگاہے گردن پیچھے موڑ کے دیکھتی رہی تھی مگر ابھی تک وائل پر اس کی نظر نہیں پڑی تھی۔ جب بھی وہ پیچھے مڑ کے دیکھتی تو وہ کسی دکان

میں گھس جاتا یا کسی ٹھیلے کی اوٹ میں چھپ جاتا۔اس نے گھوڑا گاڑیوں کے مسافر اڈے سے اس کا پیچھا کرنا شروع کیا تھا۔اور آنکھ مچولی کا یہ کھیل ابھی تک ختم نہیں ہو سکا تھا۔

امیرہ نے کندھے پہ ایک بستہ سا لٹکایا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک اور تھیلا تھام رکھا تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ تھیلا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے گرا۔وہ اسے اٹھانے کے لیے نیچے جھکی۔اور پھر واپس اٹھی نہیں۔لوگوں کی بھیڑ میں جیسے کہیں کھو سی گئی۔وائل رنگیلے دوپٹوں کے ایک ٹھیلے کی اوٹ میں چھپ کر احتیاط سے اسے ہجوم میں ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگا۔کسی نے اس کے کندھے پر تھپکی دی تو ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔وہ چہرے پر سنجیدہ تاثرات لاتے ہوئے پیچھے مڑا۔

"آخر تم نے مجھے ڈھونڈ لیا۔"دھیمی آواز میں بولا۔

"میں تمہیں ہمیشہ ہی ڈھونڈ لیتی ہوں۔"سامنے کھڑی امیرہ اپنی اس صلاحیت پہ قدرے فخر محسوس کر رہی تھی۔

اس نے گلابی رنگ کا پیروں تک آتا لباس پہن رکھا تھا۔ چہرہ سفید رنگ کے حجاب میں مقید تھا۔

اس کی نظر وائل کے ماتھے پر سیاہ بالوں کے درمیان جھلکتی سفید پٹی پر پڑی تو وہ چونکی۔ "تم نے پھر کسی کے ساتھ لڑائی کی ہے؟" آواز میں ملامت، افسوس، فکر مندی، تینوں تاثرات بیک وقت تھے۔

اس کا سوال غیر مناسب تھا بھی تو وائل کو نہیں لگا۔ کیونکہ لڑائی جھگڑوں میں اکثر اس کا سر پھٹ جایا کرتا تھا۔

"میں سیڑھیوں سے گرا ہوں۔ پاؤں پھسل گیا تھا۔"

اس نے امیرہ کو یہ نہیں بتایا کہ اس کا سر چکرایا تھا۔ اسے بتانے کی حماقت کر کے وہ ایک نئی مصیبت اپنے سر ڈالنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اگر اسے پتہ چل جاتا تو وہ اس سے ہر روز، دن میں ہزار سوال پوچھتی۔ اور فلحال اس بارے میں اس کا سر کھانے کے لیے صرف علینہ ہی کافی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہارا پاؤں بھی پھسل سکتا ہے۔" وہ حیران ہوئی۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے انسان نہیں سمجھتیں۔ مگر فطرت سے نہ سہی تو خدوخال سے میں انسان ہی ہوں۔ احتیاط کے باوجود بس پھسل گیا پاؤں۔" وہ بظاہر اطمینان سے بولا۔ "کیسی ہو؟" بڑے دوستانہ انداز میں پوچھتے ہوئے گفتگو کا رُخ امیرہ کی طرف موڑا۔

"کب سے کر رہے ہو میرا پیچھا؟" جواب میں اس نے الٹا سوال کر ڈالا۔

"جب سے تمہیں احساس ہوا کہ میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوں۔" اس مرتبہ وہ دبہ سا مسکرایا تھا۔

امیرہ ذرا بوکھلائی۔ "مجھے کوئی احساس نہیں...."

"تھیلا مجھے پکڑا دو۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا کے پیشکش کی۔

"میں خود اٹھالوں گی۔" اس نے مشکوک نظریں اس پہ جمائے تھیلا ذرا پیچھے کر لیا۔

"جانتا ہوں تم خود اٹھالو گی۔ لیکن مجھے اٹھانے دو۔" اس نے نہایت احتیاط سے امیرہ کے ہاتھ سے کپڑے کا تھیلا لے لیا۔ یوں کے دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے

کے ساتھ ذرا سے مس بھی نہ ہوئے۔اس معاملے میں وہ امیرہ کے ارد گرد وہ بہت احتیاط برتتا تھا۔وہ اسی طرح آنکھوں میں بے پناہ شک لیے اسے دیکھتے رہی۔

"چلیں؟"ہاتھ سے سامنے کی سمت میں اشارہ کیا تو وہ دونوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے چلنے لگے۔

"قائرہ جن سے ملنے گئی تھے وہ سب کیسے تھے؟"

"تم کیوں آئے مجھے لینے؟"اس نے اچنبھے سے سوال کیا۔

"اُف امیرہ۔"وہ تیوڑی چڑھا کے اس کی طرف گھوما۔"کیا میری نیت پہ شک نہ کرنا اتنا مشکل ہے تمہارے لیے؟"انداز میں شکوہ تھا۔

"بالکل۔"امیرہ پہ گویا کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔

"ریم کے کہنے پر آیا تھا۔اب خوش؟"اس نے ذرا اکھڑ لہجے میں جھوٹ بولا۔ امیرہ کو لینے حریم ہی آنے والی تھی۔مگر وائل نے اسے جھڑک کر منع کر دیا تھا کیونکہ اسے خود امیرہ سے ضروری بات کرنی تھی۔

وہ ایک آخری مشکوک نظر اس پہ ڈال کر آگے چلنے لگی۔وائل تیز قدم اٹھاتے

www.novelsclubb.com

ہوئے اس سے آگے نکل گیا۔اور پھر بجائے سیدھا چلنے کے ایک بعام کھانے کی طرف رُخ موڑ لیا۔چونکہ امیرہ کا تھیلا اس کے پاس تھا،وہ جانتا تھا وہ اسے کے پیچھے ضرور آئے گی۔

وہ ایک طرف بچھے میز کی جانب آیا۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟"امیرہ نے پیچھے سے خالی بعام خانے کا جائزہ لیتے ہوئے اچنبھے سے پوچھا۔

وہ ارادتاً اسے یہاں لایا تھا۔کیونکہ اس بعام خانے کی بری شہرت کی وجہ سے گاہک نہ ہونے کے برابر تھے۔چونکہ اسے امیرہ سے نہران جانے کے بارے میں بات کرنی تھی،اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کوئی ان کی گفتگو سنے۔

"روزے کی وجہ سے تمہیں بھوک لگی ہو گی،اس لیے میں نے سوچا کھانا ہی کھلا دوں۔"اس نے کرسی باہر کھینچی۔اور گردن سے امیرہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مگر تم تو کسی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے۔"وہ قریب آئی اور اسے شکی نظروں سے دیکھتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔

"خود نہیں کھا رہا۔ صرف تمہیں کھلانے لایا ہوں۔" امیرہ بیٹھ گئی تو وہ خادم کو کھانے کا کہنے چلا گیا۔

واپس آیا تو وہ تفتیشی انداز میں گردن اطراف میں گھما کے دیکھ رہی تھی۔

"یہاں لوگ کیوں نہیں ہیں؟"

"بے فکر رہو جانِ تمنا۔ میں تمہیں یہاں یرغمال بنانے نہیں لایا۔" کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھا۔

امیرہ کی آنکھوں میں غصہ اترا۔ "تم نے پھر مجھے...."

"تمام تمام۔" اس نے دونوں ہاتھ معذرت خواہانہ انداز میں اٹھا دیئے۔

امیرہ خاموش ہو گئی۔ وہ اب اپنی انگلیوں کو مسل رہی تھی۔

"ویسے تم ریم پر تو غصہ نہیں ہوتیں جب وہ تمہیں جانِ تمنا بلاتی ہے تو۔" جب کافی دیر تک دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا تو وائل نے خاموشی کو توڑا۔ "حالانکہ یہ نام میں نے تمہیں دیا تھا۔" یہ اس نے صرف سوچا تھا۔ کہا نہیں۔

"کیونکہ وہ میری دوست ہے۔"

"اوہاں۔میں تو دشمن ہوں نا۔"آہستہ سی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"کیا کہا تم نے؟"اسے واقعی سنائی نہیں دیا تھا۔

"میری یہ مجال کہ میں آپ کو کچھ کہوں۔"

"طنز مت کرو وائل۔"

"جو آپ کا حکم۔"

امیرہ نے آنکھیں گمائیں۔اور ایک مرتبہ پھر اپنی انگلیوں کو مسلنے لگی۔

چند پلوں کے مزید انتظار کے بعد خادم سادے پانی کا جگ،دو گلاس اور یک ٹرے میز کے وسط میں رکھ کر گیا۔ابلے ہوئے مٹروں والے سفید چاول اور تیل میں بنی مچھلی۔

امیرہ نے چمچ اٹھائی اور چاول کھانا شروع کر دیئے۔اس نے مروتاً بھی وائل کو کھانے کے لیے نہیں پوچھا۔کیونکہ وہ جانتی تھی وہ کسی بھی مروت کا مظاہرہ کیے بغیر صاف انکار کر دے گا۔

"مجھے تمہاری نقشہ سازی کی خدمات درکار ہیں؟"اس نے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

"کس لیے؟"وہ متجسس ہوئی۔

"تم نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ تم نہران جا چکی ہو۔سلطان خیام کے محل۔"

"ہاں تو؟"

"مجھے محل کا تفصیلی نقشہ چاہیے۔اس کام کے لیے تم سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔"

امیرہ کا منہ تک جاتا چمچ والا ہاتھ فضا میں ہی تھم گیا۔اس نے نظریں اٹھا کر وائل کو استفہام سے دیکھا۔

www.novelsclubb.com

"تمہیں تفصیلات تو یاد ہوں گی؟"اس نے تصدیق چاہی۔حالانکہ اسے یقین تھا امیرہ جس چیز کو ایک مرتبہ دیکھ لے وہ پھر اس کی یادداشت میں نقش ہو جاتی تھی۔

"تم کیا کرنے جا رہے ہو وائل؟"انداز تفتیشی تھا۔

(اُف۔سوال کے بدلے سوال کرنے والی امیرہ کی یہ عادت!)

"ایک مظلوم کی مدد۔" وہ بڑی معصومیت سے بولا تھا۔

"جیسے میں تو تمہیں جانتی ہی نہیں ہوں۔" امیرہ اونچی آواز میں بڑبڑائی۔ "خیر تم جو بھی کرو، مجھ سے تو تم نے وعدہ کیا ہے۔" اس نے بے پرواہی سے کندھے اچکائے۔ "امید کرتی ہوں توڑو گے نہیں۔"

وائل کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔ "دراصل...."

"وعدہ خلافی سے یاد آیا۔" امیرہ یکدم پُرجوش ہو کے بتانے لگی تو وہ جو اپنی کہنے جا رہا تھا، خاموش ہو گیا۔ "میرے یتیم خانے کے نگران صاحب کی بیٹی کی شادی تھی۔ رشتے کی بات چیت کے دوران طے پایا تھا کہ دولہے والوں کی جانب سے کسی قسم کے جہیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن عین نکاح کے وقت وہ لوگ مکر گئے۔ اور ہزار مطالبے سامنے رکھ دیئے۔" امیرہ رسان سے کہتی جا رہی تھی اور وہ پانی کا گلاس منہ سے لگائے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔ اسے اس قصے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر بھی بے دلی سے ہی سہی مگر وہ اس کی بات سن رہا تھا۔

"اور پھر علاقائی لوگوں نے دولہے اور اس کے باپ کا منہ کالا کر کے انہیں پورے

محلّے کا چکر لگوایا۔"

پانی یکدم وائل کے حلق میں پھنس گیا۔اس نے گلاس نیچے کر کے امیرہ کو بے یقین نگاہوں سے دیکھا۔ مگر وہ اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔ "میں تو کہتی ہوں ایسوں وعدہ شکنوں کو چوک میں کھڑا کر کے کوڑے مارنے چاہئیں۔"اس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

وائل نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ بازار کسی چوک سے کم نہیں تھا۔

"بہت خوب۔" سمجھنے والے انداز میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔اور امیرہ سے بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ فلحال اسے اسی میں مصلحت نظر آئی۔

امیرہ نے کھانا ختم کر لیا تو اس نے پیسوں کی ادائیگی کی اور دونوں بعام خانے سے نکل آئے۔ آزاد منزل کے داخلی گیٹ کے پاس پہنچے تو وائل نے تھیلا اسے واپس پکڑا دیا۔امیرہ نے گیٹ کھولنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو دیوار پہ لگی سیاہ تختی دیکھ کر رک گئی۔اس پہ سفید رنگ سے **"آزاد منزل"** کے الفاظ لکھے تھے۔اس نے گہری سانس لے کے ایک مایوس کن نظر وائل پہ ڈالی اور گیٹ کھول کے اندر

چلی گئی۔

یہ دو الفاظ امیرہ کو تمسخرانہ لگتے تھے۔اور ان کا مقصد بھی یہی تھا۔ تمسخر اڑانا۔

اس کے پیچھے گیٹ بند کر کے وہ بھی اندر آیا۔"امیرہ کل صبح مجھ سے آ کر ملنا۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"سنجیدگی سے کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔امیرہ نے بھی سمجھ کر سر ہلا دیا۔

وہ زمینی منزل پہ موجود اپنے کمرے میں پہنچا تو دروازہ بند کرنے کے لیے مڑا۔ نظر سامنے گول زینے سے بھاگ کر نیچے اترتی حریم پر پڑی۔وہ نیچے آ کے امیرہ سے نہایت پُرجوش انداز میں گلے ملی۔اب یقیناً وہ دونوں ساری رات جاگ کر ڈھیر ساری باتیں کرنے والی تھیں۔وائل نے دروازے بند کر کے کنڈی لگا دی۔کوٹ اتار کے لکڑی کے سٹینڈ پہ لٹکایا۔اور پلنگ کے ایک سرے بیٹھ گیا۔کل صبح وہ امیرہ سے ابوالحسن کے بارے میں بات کرے گا۔زیادہ سے زیادہ وہ غصہ ہو گی۔ مگر غصے کے سوا وہ کچھ اور کر بھی نہیں سکتی تھی۔وہ اپنا کل کا لائحہ عمل طے کر رہا تھا

جب....

اس کے سر میں درد کی ایک شدید تکلیف دہ لہر اٹھی تھی۔اس نے سیاہ شرٹ کے اوپری دونوں بٹن کھول دیئے۔

ہاتھوں کی پوروں سے بائیں کنپٹی کو مسلتے ہوئے پلنگ کے ساتھ رکھے میز سے پانی کا گلاس اٹھایا۔دراز کھول کر ایک ننھا خاکی لفافہ باہر نکالا۔سر کا درد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسے اپنا وجود تیز شعاعوں کی لپٹ میں آتا محسوس ہوا۔

پورے کمرے میں جیسے آگ سی لگ گئی۔

اسے عین اپنے سامنے....

ایک جلا ہوا وجود....

تڑپتا دکھائی دیا....

اس وجود کی دلدوز سسکیاں....

اس کے کانوں کے پردے چیر پھاڑ رہی تھیں۔

خاکی لفافہ اس کے ہاتھ سے گر گیا۔وہ خود بھی پلنگ سے نیچے لڑھک گیا۔

www.novelsclubb.com

اس نے اپنے سامنے نظر آتے المناک منظر نامے کو دیکھتے ہوئے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔ایک آنسوں اس کی باہنی آنکھ سے پھسل کر سینے پہ گرا تھا۔عین اس کے دل پر۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ زمین سے اٹھایا۔پھر اسے کھول کے اس میں سے تین گولیاں نکالیں۔پھر ایک ہی دفعہ میں تینوں کی تین نگل گیا۔میز سے پانی کا گلاس اٹھا کے پیا۔

اس کے بعد ہر طرف دھند سی چھٹنے لگی۔آگ کے شعلے تحلیل ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ سب کچھ تاریک ہوتا گیا۔اور پھر قلبلار کے سیاہ آسمان پہ چھائی اندھیری رات اس کی آنکھوں پہ بھی چھا گئی۔

www.novelsclubb.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

وہ صبح اٹھا تو اس کے کمرے کی سلاخ دار کھڑکی سے سورج کی روشنی چھن کے اندر داخل ہو رہی تھی۔وہ ساری رات وہیں زمین پہ بیٹھا پلنگ کے ساتھ ٹیک

لگائے سوتا رہا تھا۔ عموماً وہ صرف تین گھنٹوں کے لیے ہی سویا کرتا تھا مگر کل رات لی گئی نیند کی گولیوں کا اثر تھا جو وہ کم از کم نو گھنٹے سو کر اٹھا تھا۔

بے اختیار اس نے اپنا سر دبایا۔ سر کا درد اب پہلے سے قدرے بہتر تھا۔ ایک طویل عرصے سے اس کے ساتھ چپکی اس بلا کو کچھ عرصے کے لیے چین آ گیا تھا۔ مگر پچھلے دو ہفتوں سے یہ درد اسے دوبارہ ہونے لگا تھا۔ وہ وجہ سے لاعلم تھا اور لاعلم ہی رہنا چاہتا تھا۔ ابھی اسے اپنا مقصد پورا کرنا تھا۔ ابھی وہ کسی بیماری کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لیے وہ علینہ کے مستقل اصرار پر بھی اسے ہمیشہ ٹال دیتا تھا۔

وہ پلنگ کا سہارا لے کر اٹھا اور کندھے اکڑا کر قمر سیدھی کی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ نہا دھو کر سنگار میز کے آگے کھڑا آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے سر کی پٹی دوبارہ باندھ رہا تھا۔ جسے نہانے کے باعث اس نے اتار کر رکھ دیا تھا۔ وہ پٹی کر چکا تو اچانک دروازے پہ دستک ہوئی۔

اس نے دروازہ کھولا۔ امیرہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ اسی کا منتظر تھا۔

وائل کی طرح آج اس نے بھی مکمل سیاہ لباس ہی زیب تن کر رکھا تھا۔ صبح

سویرے وہ کافی تروتازہ لگ رہی تھی۔روزہ دار والا نور اس کے شفاف چہرے پر واضح طور پہ عیاں تھا۔وائل ایک طرف ہوا تو وہ اندر آ گئی۔اس کے دفتری میز کے ساتھ بچھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

وہ بھی اس کے پیچھے آیا۔مرکزی کرسی پر بیٹھا۔

گلا کھنکھار کے اس نے کہنا شروع کیا۔"مجھے نہران کے زندان میں سے ایک قیدی کو بھگا کر قائرہ پہنچانے کا کام سونپا گیا ہے۔اور چونکہ تم نہران جا چکی ہو اور محل کی عمارت سے واقف ہو تو میں چاہتا ہوں تم بھی میرے ساتھ چلو۔مجھے تمہاری ضرورت ہے امیرہ۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ اب اس کے بولنے کا منتظر تھا۔غصہ...اعتراض.... انکار....ناراضی....وہ بہت کچھ توقع کر رہا تھا۔مگر امیرہ محض خاموش رہ کر میز کے وسط میں رکھے خالی کاغذوں کو دیکھتی رہی۔اس کے دونوں ہاتھ مٹھیوں کی صورت گود میں دھرے تھے۔

"امیرہ کچھ بولو۔"وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

امیرہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔"ٹھیک ہے۔"

اسے لگا اس نے سننے میں غلطی کی ہے۔"ٹھیک ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔جیسے تم کہو۔"

وہ کرسی پہ آگے ہو کے بیٹھا۔"تم اعتراض نہیں کرو گی؟"وہ حیرانگی سے سوال کر رہا تھا۔

"غلاموں کے پاس اپنے مالک کو انکار کرنے کا انتخاب نہیں ہوتا۔"وہ آنکھوں مایوسی کا تاثر لیے ہوئے بولی۔

وہ صدمے سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔یہ جملہ کہنے سے بہتر تھا وہ اسے ایک تھپڑ مار لیتی۔

www.novelsclubb.com

"امیرہ تم میری غلام تو نہیں ہو۔"اس نے اپنی بات پُر زور انداز میں کہی تھی۔

"میں تمہاری خریدی ہوئی غلام ہی ہوں وائل۔"جواباً ہر ایک لفظ پہ زور دے کر کہا گیا امیرہ کا اگلا جملہ اسے واقعی کسی تھپڑ سے کم نہیں لگا تھا۔"بلکہ میں کیا،سب تمہارے غلام ہیں۔علینہ.... حرم.... حریم.... فیض.... جنید....اکبر....

عائشہ.... فاطمہ...."

وہ ایک ایک کر کے سب بازیگروں کے نام لے رہی تھی۔

"بس کر دو امیرہ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے ٹوک دیا۔ "غلامی کسے کہتے ہیں یہ تمہیں ابھی معلوم ہی نہیں ہے۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"اور آزادی دینا کسے کہتے ہیں یہ تمہیں نہیں معلوم۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی تھی۔ "صرف ہمارے ذاتی فیصلوں سے دور رہنے کے بدلے، ہم سے ہر غیر اخلاقی.... غیر شرعی کام کروانا۔ اسے تم آزادی کہتے ہو وائل؟" لاشعوری طور پہ اس کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔ "ہم تمہاری اجازت کے بغیر قلبلار سے باہر نہیں جا سکتے.... تمہاری کہی کسی بات کو رد نہیں کر سکتے.... تمہارے کسی فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتے.... تم کہو دن ہے تو ہمیں بھی دن کہنا ہے.... تم کہو رات ہے تو ہماری بھی رات ہے.... کیوں وائل؟ آخر کیوں؟ ہو کون تم؟ ایک ادنیٰ سے انسان۔ جس کی اپنی جان کب نکل جائے اسے کوئی اندازہ نہیں۔ پھر اپنے ساتھ ساتھ کیوں تم دوسروں کی زندگیوں کی ڈور بھی اپنے ہاتھ میں لے کر رکھنا چاہتے

ہو؟ کیوں تم دوسروں کے اعمال نامے بھی اپنے قلم سے لکھنا چاہتے ہو؟" بولتے بولتے امیرہ کا تنفس بھاری ہو رہا تھا۔ مگر وہ غصے میں کہے جا رہی تھی اور وائل بِن آدم اسے چپ چاپ سن رہا تھا۔

"اور سلام ہے تمہاری عظمت کو، (ہاتھ ماتھے تک لے کے گئی) جو یہ سب کرنے کے بعد تم گردن کڑا کر کہتے ہو کہ ہم سب تمہارے غلام نہیں، ملازمین ہیں۔ یہ دوہرا معیار کیوں وائل؟ ملازمین کے کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ جنہیں پورا کرنے میں تم ہمیشہ بری طرح ناکام ہی رہے ہو۔ ٹھیک ہے، تم نے میری مدد کی۔ اس کے لیے میں تمہاری احسان مند ہوں۔ لیکن اس احسان کی قیمت مجھے میرا ضمیر.... میرا ایمان کھو کر کیوں چکانی پڑ رہی ہے؟ کیوں میں تمہارے لیے اپنے نامہ اعمال کو گناہوں سے آلودہ کر رہی ہوں؟ ہو کون تم میرے؟ محسن؟ مالک؟ یا پھر غارت گر؟" وہ گہرے سانس لیتی نگاہوں میں بے پناہ اشتعال اور غصہ لیے اسے گھور رہی تھی۔

جب وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولا تھا تو وہ کرسی پیچھے دھکیل کے اپنی جگہ سے اٹھی۔

"اب کچھ تو بولو وائل۔ گھونگے کیوں بن گئے ہو؟" دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر اب کی بار وہ باقائدہ چلائی تھی۔

"آجر۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔

امیرہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

وہ دونوں ہاتھ باہم پھنسائے کرسی سے ٹیک لگا کے بیٹھا۔ "آجر ہوں میں تمہارا امیرہ بنتِ آدم۔"

اس کے انداز کی بے پرواہی پر امیرہ کی آنکھوں میں مزید غصہ اترا تھا۔

"آئندہ مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے سے پہلے اپنے ارادے پر نظرثانی ضرور کر لینا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اس کا لہجہ سپاٹ، تنبیہ سے بھرپور تھا۔

امیرہ کے منہ سے ایک خاموش سا قہقہہ چھوٹا۔ مگر اس میں مضحکہ خیز کچھ نہیں تھا۔ صرف صدمہ تھا۔ وہ افسوس سے نفی میں سر ہلاتی باہر نکل گئی۔ وائل کو لگا واپس نہیں آئی گی۔ مگر صرف چند ہی پلوں کے بعد جب وہ واپس لوٹی تو ہاتھ میں "آزاد منزل" والی سیاہ تختی تھی۔ امیرہ نے عین کمرے کے وسط میں کھڑے ہو

کے پوری قوت سے اسے زمین پہ دے مارا۔ سیاہ ٹکڑے سارے کمرے میں بکھر گئے۔

وائل اچھل کر اپنی جگہ سے اٹھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے چلایا تھا۔

مگر امیرہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔

قریب پہنچ کر اس کا بازو پکڑ کے جھنجھوڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو احساس ہوا کہ سامنے امیرہ کھڑی تھی۔ خود ہی دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" دبی سی آواز میں چلایا۔ "پاگل ہو گئی ہو؟" اس کے ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔

www.novelsclubb.com

"پاگل پن کسے کہتے ہیں۔ یہ تمہیں اب میں بتاؤں گی۔"

"مجھے مشتعل مت کرو امیرہ۔ ورنہ...."

"ورنہ کیا؟ کیا کرو گے تم؟ پچھلی مرتبہ جو دھمکی دی تھی اس پر عمل کرو گے؟ جان لو گے میری؟" زیادہ سوال کرنا اس کی عادت تھی۔ مگر آج وہ اتنے سوال کر

رہی تھی کہ وائل کا دماغ گھومنے لگا تھا۔

وائل نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں۔ تنے اعصاب کے ساتھ امیرہ کو آنکھیں بھی دکھائیں۔ مگر وہ اثر لیے بغیر آگے بڑھی۔ وائل کی جیکٹ کی جیب میں سے خنجر نکالا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ بس حیرانی اور تشویش سے امیرہ کی حرکات کو دیکھے گیا۔ امیرہ نے خنجر میان سے باہر نکالا۔ اسے لگا وہ اسے مارنے کے لیے نکال رہی تھی۔ مگر اس نے وہ زبردستی وائل کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ پھر اس کا بازو پکڑ کے خنجر اپنی گردن پہ رکھا۔ خنجر اب اس کے حجاب کے سیاہ کپڑے کے اوپر دھرا تھا۔

"لو جان میری۔" وہ اسے باقاعدہ للکار رہی تھی۔

وائل نے ایک جھٹکے میں اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔ خنجر زمین پہ جا گرا۔

اس نے سر دائیں بائیں ہلاتے امیرہ کو بے یقینی سے دیکھا۔

"روزہ تمہارے سر میں گھس گیا ہے۔" اپنی کنپٹی پہ دستک دیتے ہوئے دبے سے غصے میں بولا۔ "پاگل ہو گئی ہو تم۔" اسے امیرہ پر اس وقت شدید غصہ آ رہا تھا۔ مگر وہ اس پر اپنا غصہ نکالنا نہیں چاہتا تھا۔ بہت مشکلوں سے اپنے ضبط پر قابو کیے

ہوئے تھا۔امیرہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اب تک اس کا سر پھاڑ چکا ہوتا۔

"تم نے جو کرنا ہے، کر لو وائل۔ مگر میں تمہارے ساتھ نہران نہیں جاؤں گی۔ اس مہینے میں تو نہیں۔"اس کا انداز مانو پتھر پہ لکیر کی مانند تھا۔"اور اب میں تمہیں نہران کا نقشہ بھی بنا کر نہیں دوں گی۔بنوا سکتے ہو تو بنوا لو۔"آخری جملہ اس نے وائل کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کے ادا کیا تھا۔

اس کی سلوٹ زدہ پیشانی پہ مزید سلوٹیں پڑیں۔دو پل مزید وہاں رکتا تو واقعی آپے سے باہر ہو جاتا۔

امیرہ کو وہیں چھوڑ کے وہ کمرے سے باہر نکلا۔برآمدے میں ایک لکڑی کا بینچ پڑا تھا۔اس نے پاؤں سے ٹھوکر مار کے اسے پٹاخ زمین پہ گرایا۔اس کے بتانے سے پہلے امیرہ کو نہران جانے کے بارے میں بتا کر جس انسان نے یہ تیلی لگائی تھی اسے اب اس سے نمٹنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

یہ صبح کا وقت تھا۔ غزال میں صرف اکادکا گاہک ہی موجود تھے۔ رمضان کے چلتے شام ڈھلنے تک اب بہت ہی کم لوگ آتے تھے۔ حریم باورچی خانے میں چھوٹے میز کے گرد بچھے لکڑی کے بینچ پہ بیٹھی تھی۔ آج کل جو کتاب وہ پڑھ رہی تھی وہ اس نے ساتھ والی کرسی پہ احتیاط سے رکھی ہوئی تھی۔ فلحال میز پہ بکھرے پودینے کے پتے ڈنڈیوں سے الگ کر کے ایک برتن میں رکھتی جا رہی تھی۔ آج رات وہ پکوڑے بنانے والی تھی۔ اسی لیے چٹنی بنانے کے لیے پودینہ صاف کر رہی تھی۔ اس کے سامنے سیف بیٹھا تھا۔ وہ قلبلار میں نیا آیا تھا۔ تو وہ اسے یہاں کے بارے میں مفید معلومات فراہم کر رہی تھی۔

"یہ وائل کو سب عفریت کیوں بلاتے ہیں؟ عفریت تو شیطان کو کہتے ہیں نا؟" وہ متجسس لب و لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"وائل بن آدم کسی شیطان سے کم نہیں ہے۔" اس نے طنز سے ہنستے ہوئے سر جھٹکا۔

"وہ کیسے؟"

"دراصل ابلیس نے وائل کو قلبلار میں اپنا نائب مقرر کر رکھا ہے۔ موقع پرستی، مکاری، چالبازی، جھوٹ فریب، لوٹ مار اور ہیرا پھیری جیسی دیگر صفات کی وجہ سے اس نے اپنے لیے عفریت کا لقب کمایا ہے۔" ہاتھ میں پکڑی ڈنڈی سے سارے پتے اتار لیے تو اسے ایک طرف رکھ دیا۔ اور آخری ڈنڈی اٹھالی۔ "ویسے تو قلبلار میں اور بھی مجرموں کا بصیرہ ہے مگر وائل کی عمر کا کوئی نہیں ہے جو اس قدر شریر اور شاطر ہو۔ اسے اپنی میٹھی زبان سے لوگوں کو ورغلانا آتا ہے۔ بالکل شیطان کی طرح۔" وہ بہت سنجیدگی سے بتا رہی تھی۔ سیف حیرت سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"میں نے تو اب تک اسے کسی کے ساتھ میٹھا بولتے نہیں دیکھا۔" سیف کا انداز مایوسی لیے ہوئے تھا۔ "ہمیشہ منہ پر بارہ ہی بجے ہوتے ہیں۔" ناگواری سے منہ میں بڑبڑایا۔

"جب اس کا اپنا مطلب ہوتا ہے تب وہ اس دنیا کا سب سے زیادہ میٹھا بولنے والا بن جاتا ہے۔" حریم نے سب کو لمبا کھینچا۔ "ویسے ہمیشہ سڑی ہوئی شکل لے کر ہی

گھومتا ہے۔"

نہایت ہی ناگہانی انداز میں کوئی باورچی خانے کے دروازے کو ٹانگ سے کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ نو وارد میز کی طرف آیا۔اور جارحانہ انداز میں میز کو نیچے سے لات ماری۔ وہ اچھل کر بائیں جانب جا گرا۔ پودینے کے پتے اوپر فضا میں اڑ کر نیچے زمین پر گر گئے۔ جس برتن میں وہ موجود تھے،اس کے زمین پہ گرنے کی وجہ سے ٹن کی آواز گونجی تھی۔ ڈنڈیاں بھی سارے فرش پہ بکھر گئیں۔ سیف اپنی جگہ سے اٹھ کر فوراً بینچ کے پیچھے ہو لیا۔ حریم کا بینچ دیوار والی طرف تھا۔ وہ وہیں بیٹھی بے یقینی سے نیچے بکھرے پودینے کے پتوں کو دیکھنے لگی جو اس نے بڑی محنت سے صاف کیے تھے۔ آنے والے نے لمبے سیاہ بوٹ میں مقید اپنا پاؤں اس کے بائیں جانب بینچ پہ رکھا تھا۔ حریم نے بہت سارا تھوک اندر نگل کے سر اوپر اٹھایا۔ وائل بن آدم آنکھوں میں طیش لیے اس پہ جھکا تھا۔

"کیا زہر اگلا ہے تم نے امیرہ کے آگے میرے خلاف؟" وہ اس کی گردن پہ خنجر رکھ کے غرایا تھا۔

"م.... میں نے؟" حریم کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔اسے اپنی تیز ہوتی دھڑکن کا شور صاف سنائی دے رہا تھا۔

"میرے ساتھ یہ معصومیت کا کھیل مت کھیلو حریم بنتِ ہاشم۔میں اچھے سے جانتا ہوں تم نے ہی اسے بتایا ہے۔اور مرچ مصالحہ لگا کے بتایا ہے۔"

"میری زبان پھسل گئی تھی۔" اس نے فوراً جھوٹ گڑھا۔

"اور اب میرا ہاتھ پھسلے گا۔" کھردری آواز میں کہتے ہوئے، وائل نے اس کی گردن پہ ٹکے خنجر کو ذرا دبایا۔

"میں...." حریم نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔"میں آئندہ دھیان رکھوں گی۔"

"سیٹھا اگر وہ کہہ رہی ہے نہیں کرے گی تو آئندہ واقعی ایسا نہیں کرے گی۔اس مرتبہ جانے دو۔" پریشان سی اس آواز پہ اس نے وائل کے کندھے کے پار جھانکا۔ حرم اس کے پیچھے پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا۔نجانے وہ وہاں کب آیا تھا؟

"ہاں میں واقعی دوبارہ ایسا نہیں کروں گی۔" حریم نے تاکیدی انداز میں اپنی بات دہرائی۔

"تمہارے پاس اور کوئی راستہ ہے بھی نہیں۔"اس نے خنجر اس کی گردن سے ہٹالیا۔اس کے پہلو میں پڑی کتاب اٹھائی۔اور بنا دیکھے اسے اپنے پیچھے اچھالا۔وہ سیدھا چولہے میں جا کے گری۔حریم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے وائل کو دیکھا۔"آئندہ اگر تم نے نیچے تہہ خانے میں ہونے والی گفتگو کا کسی کے بھی آگے ذکر کیا،تو کتاب کی جگہ میں تمہیں اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا۔یہ بات اپنے اس چھوٹے سے دماغ میں بٹھالو۔"وائل نے انگشت شہادت سے اس کی کنپٹی پہ دو مرتبہ دستک دی۔"سمجھیں؟"

حریم نے لب بھینچ کر وائل کو دیکھا۔

"سمجھیں؟"اس نے زور دے کر سوال دہرایا۔

"سمجھ گئی۔"حریم نے دانت کچکچا کے بددلی سے کہا۔

"بہتر۔"وائل نے اپنا پاؤں بینچ سے اتار کے نیچے زمین پہ رکھا۔اور سیدھا کھڑا ہوا۔ایک ناپسندیدہ نظر سہم کر کھڑے سیف پر ڈال کے باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔

www.novelsclubb.com

"ریم تم ٹھیک ہو؟" حرم نے اس کے پاس زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

اس نے گردن پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ صد شکر خنجر اسے لگا نہیں تھا۔

"تم نے وائل کے خلاف امیرہ کے کان بھرے؟" حرم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"نہیں۔" وہ صاف مکر گئی۔ "میں نے اسے صرف اتنا کہا تھا کہ وائل نے اسے سب کے سامنے بیوقوف کہا ہے۔"

"تم نے جھوٹ بولا حریم؟" وہ کھلے منہ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

"جھوٹ کہاں ہے اس میں۔ کیا اس نے سب کے سامنے امیرہ سے وعدہ نہیں کیا تھا۔ اور اب اسے توڑ رہا ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہوا نا کہ وہ اسے بیوقوف سمجھتا ہے۔" اپنی طرف سے بڑی سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

"یا میرے خدایا۔" حرم نے ماتھا چھوا۔ "اور کیا کہا ہے تم نے اس سے؟"

"یہ کہ وائل نے کہا اسے امیرہ کو گھسیٹ کر بھی نہران لے کر جانا پڑا تو وہ لے کے جائے گا۔" اس نے نظریں چرا کے اس مرتبہ قدرے شرمندگی سے اپنا کارنامہ بتایا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" حرم افسوس سے بڑبڑایا۔ "کیوں آگ سے کھیل رہی ہو ریم ۔تمہارا بس صرف باقی لوگوں کے آگے ہی چل سکتا ہے۔وائل کے آگے تم بھی سب کی طرح بے بس ہو۔"

"تو اور کیا کرتی۔میں غصے میں تھی۔اس لیے...."

"اس لیے تم نے سوچا جھوٹ بول لیا جائے۔" حرم نے اسے داد دینے والے انداز میں ٹوک دیا۔ "اور کیا کہا تم نے امیرہ سے؟"

حریم ذرا کھنکھاری۔ "یہ کہ...."

"کہ؟" اس کی آنکھیں بڑی ہوئیں۔

"کہ ہم سب تو وائل کے غلام ہیں۔اسے انکار تھوڑے ہی نہ کر سکتے ہیں۔"

"کیا!" حرم صدمے سے تقریباً چلایا تھا۔

www.novelsclubb.com

"لیکن میں نے یہ بات وائل سے منسلک نہیں کی۔" وہ فوراً اپنی حمایت میں بولی۔

"ہاں مگر امیرہ کو یہی تاثر ملا ہو گا کہ یہ بھی سیٹھ نے کہا ہے۔" حرم نے نفی میں گردن دائیں بائیں موڑی۔ "خیر جو ہونا تھا، ہو گیا۔ آئندہ دھیان رکھنا۔ ورنہ وہ واقعی تمہیں اٹھا کر آگ میں پھینک دے گا۔"

آگ۔ آگ سے اسے اپنی کتاب یاد آئی۔ وہ فوراً بینچ سے اٹھی اور چولہے کی طرف بھاگی۔

پنجوں کے بل بیٹھ کر چولہے کے اندر جھانکا۔ اس میں تیز آگ جل رہی تھی۔ اور اس کی کتاب بھسم ہو کے راکھ بن چکی تھی۔ وہ تلملا کر اٹھی۔ دروازے کی چوکھٹ کی طرف گئی۔

"تم جیسوں کے لیے جہنم میں خاص مقام ہو گا وائل بن آدم۔" وہ شدید غصے کے عالم میں چلائی تھی۔ حالانکہ اسے معلوم تھا، وہ اب تک قلب سے بھی جا چکا ہو گا۔ وہ واپس مڑی تو نظر سیف کی سفید رنگت پہ پڑی۔ اس کے تاثرات بتاتے تھے

کہ وہ اس گروہ میں شمولیت کے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

نیلے سمندر کے آسمان پہ بھی صبح مکمل اجاگر ہو چکی تھی۔ سورج عین فیض کے سر کے اوپر چمک رہا تھا۔ جس کا عکس سمندر کے نیلے پانی میں جھلکتا تھا۔ لہریں اب خاموش تھیں۔ صبح فجر ادا کرنے کے بعد وہ ابھی ابھی کافی دیر کے لیے سو کر اٹھا تھا۔ جہاز اب قلبلار کی بحری حدود میں داخل ہو چکا تھا۔

اس نے اپنے چھوٹے سے حجرے کی کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ بغور دیکھنے پر دور.... بہت دور کنارے کے ساتھ لگے بحری جہاز نظر آتے تھے۔ وہ لکڑی کے زینے چڑھ کے عرشے پر آیا تو وہاں کافی لوگ جمع تھے۔ اسے تشویش ہوئی۔ وہ لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا آگے بڑھا تو سامنے نظر آنے والا منظر اس کے دل کو دہلا گیا۔

لیلیٰ جنگلے پہ ہاتھ رکھے، باہر کی طرف جہاز کے دہانے پہ کھڑی تھی۔

سیاہ وردی میں ملبوس کچھ لوگ اس پہ تیر کمان تانے ہوئے تھے۔ ان کے

چہرے نقاب سے ڈھکے ہوئے تھے۔ کیا وہ سمندری قزاق تھے؟ یا پھر غلاموں کے بیوپاری؟ فیض نے گردن گھما کر دیکھا۔ ان کے جہاز کے مقابل ایک اور جہاز بھی چل رہا تھا۔ وہ لوگ یقیناً اسی سے کود کر اس جہاز پہ آئے تھے۔

اس نے گردن واپس لیلیٰ کی طرف موڑی۔ اس کی آنکھوں میں نظر آنے والا تاثر....

یاخدایا! وہ سمندر میں کود کر اپنی جان لینے والی تھی۔

"تم نے کہا تھا زندگی نعمت ہے۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرو۔" وہ محتاط ہو کے آگے بڑھا۔ "اور اب خود اپنی جان کے کر اس نعمت میں کفر کرنے جا رہی ہو؟" وہ اس سے سمجھانے والے انداز میں مخاطب تھا۔

"کیونکہ موت غلامی سے بہتر ہے۔" لیلیٰ اداسی سے مسکرائی۔

"اگر تمہیں تیرنا آتا ہے تب بھی کنارے تک نہیں پہنچ پاؤ گی۔" فیض نے بعید کنارے کی طرف دیکھتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ اسے اس عمل کی سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ وہ نہیں چاہتا تھا وہ لڑکی اپنی جان دے۔

"مجھے ڈوب کر مرنا منظور ہے۔ کسی کا غلام بن کر زندہ رہنا نہیں۔" اس نے بھیگی ہوئی آواز میں کہہ کر جنگلے پر سے اپنے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

"لیلیٰ۔" فیض کی زبان نے بے ساختہ اس کا نام پکارا تھا۔

وہ بے اختیار آگے بڑھا۔ جنگلے پہ ہاتھ رکھ کے نیچے جھانک کر کھوجتی نظروں سمندر کی لہروں کو دیکھا۔ مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ وہاں اس کا کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔ کل یہیں کھڑے ہو کر اس نے یہ امکان سوچا تھا کہ وہ دوبارہ اس لڑکی سے کبھی نہیں ملے گا۔ اور اب وہ واقعی دوبارہ اس سے کبھی نہیں مل سکے گا۔

لوگ اب آپس میں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ سیاہ وردی والے ڈاکو لمبی چھلانگیں لگا کے رسیوں کی مدد سے اپنے جہاز میں واپس چلے گئے تھے۔ فیض وہیں جنگلے پہ ہاتھ رکھے گردن ترچھی کر کے اس مقام پہ نظریں جمائے ہوئے تھا، جہاں وہ کودی تھی۔

سمندر کی چمکدار نیلی لہریں شانت تھیں۔

یا شاید وہ اداس تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہران۔

اور عین اسی وقت....

سمندر پار....

سلطان خیام کے سفید، سنہری محل میں....

اپنے بھائی، تیمور کے ساتھ تلوار زنی کی مشق کرتے ہوئے حاتم بن خیام کا ذہن ایک لمحے کے لیے لیلیٰ بنتِ شہاب کی طرف بھٹا تھا۔ جس کے باعث تیمور کی شمشیر سیدھی اس کے سینے پہ آکر لگی تھی۔ ایک لمحے میں اس کی سفید شرٹ خون آلود ہو گئی۔ وہ گھٹنوں کے بل خود بخود ہی زمین پہ جھک گیا۔ اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنے دل تک اٹھا تھا۔

مگر یہ درد.... سینے میں اٹھتا یہ درد، تلوار کی کاٹ کی وجہ سے نہیں تھا۔ یہ کسی اور وجہ سے تھا۔ اور اس وقت اس کا ذہن اس وجہ کو سمجھے سے قاصر تھا۔

"حاتم.... تم ٹھیک ہو؟" ماتھے پہ پریشانی کی شکنیں لیے تیمور تلوار زمین پہ

پھینک کر حاتم کی طرف بڑھا تھا۔وہ گھٹنوں کے بل اس کے اس کے پاس بیٹھا۔

اسے دونوں کندھوں سے تھاما۔

حاتم نے نظریں اٹھا کے اپنے بھائی کو دیکھا۔

اور تب نجانے کیوں....

پانی کا ایک چھوٹا سا قطرہ....

اس کی آنکھ سے نکل کر....

گال سے لڑھکتا ہوا....

سینے پہ رکھے اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ کی پشت پہ گرا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.novelsclubb.com

باقی آئندہ۔انشاءاللہ!